فہرست

اداریہ	ابتدا تیرے نام سے	صائمہ اسما	6
انوارِ ربانی	علم	اُمِ یحییٰ	8
قولِ نبیؐ	احادیث رسول اسلامی سیاست	عظمیٰ پروین	13
خاص مضمون	ایمان ووفا کی ساتھی	زبیر منصوری	16
نوائے شوق	کلامِ مینا	بنتِ مجتبیٰ مینا	22
	غزل	نجمہ یاسمین یوسف	22
	انکی یاد میں	صائمہ اسماء	23
	احمدِ مجتبیٰ	فرات غضنفر	24
حقیقت و افسانہ	دو آرزو میں کٹ گئے	ڈاکٹر شگفتہ نقوی	25
	کیسا سچ؟	شاہدہ ناز قاضی	32
	آگ	طوبیٰ احسن	38
	پہچان	عظمیٰ ابونصر صدیقی	44
حُسنِ معاشرت	ہمارے بزرگ	فرزانہ خالد	46
	شادی کو رسوم ورواج سے پاک بنائیے	ثریا بتول علوی	48
ملاقات	بانیٔ جمعیت شکورہ آفتاب	آسیہ راشد	54
مطالعہ گاہ	میری لائبریری سے	قانتہ رابعہ	60
نامور خواتین کا تذکرہ	گل بدن بیگم	آسیہ راشد	64
خفتگانِ خاک	میری عظیم ماں	اُمِ فیضان	68
ہلکا پھلکا	وہ بکے گا نہیں	اُمِ یحییٰ	70
انشائیہ	ہوا کھلا کے جو رُسوا	شمیم فاطمہ	74
بتول میگزین	خالدہ حبیب، ربیعہ نعیم، خورشید بیگم، شہزادی اُمِ صائم، نوریہ انور		76

ابتدا تیرے نام سے

قارئین کرام!

خوش رنگ پھولوں اور نوخیز پتوں کی قبا اوڑھے موسم بہار اپنے جوبن پر ہے۔رنگ گلستاں بدل رہا ہے۔چٹکتی کلیوں اور بادِ صبا کی اٹھکیلیوں نے تمام عالم کو مہکا رکھا ہے۔خوشیوں کے رنگوں کو دیکھ کر دل سے بس یہی دعا نکلتی ہے یا اللہ ان پھولوں کی خیر اس گلستان کی خیر۔

پچھلے دو ماہ بن موسم کی برسات نے بھیگے موسم کے وہ تحفے دیئے جس سے ایک جہاں حیران ہوا۔ساون کی بارشیں اپنے ساتھ حبس کا تحفہ لاتی ہیں مگر ان بارشوں کی یہ خاصیت رہی کہ آئی ہوئی منہ زور گرمی کو اس نے روک دیا اور جاتی ہوئی سردی بار بار پلٹ جاتی رہی۔ایک وقت تھا بارش کا موسم رگ و پے میں جلترنگ بجایا کرتا تھا مگر اب دل کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ایک انجانا سا خوف جان کے لاگو رہتا ہے بارشیں جیسے وجود میں گھٹ کے رہ گئی ہیں۔ ہمارے ملک کے باسیوں کی بربادیوں نے ساری برسات ہماری آنکھوں میں بھر دی ہے۔مہینے کے آخر میں موسم نے پھر انگڑائی لی اور یکدم گرمی نے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیئے۔ابھی سے اعلان کیا جا رہا ہے کہ اس سال لوڈشیڈنگ زیادہ ہو گی اللہ ہمارے حال پر رحم کرے۔

رنگ،نسل،مذہب،فرقہ اور علاقہ کی تفریق کے بغیر پاکستان کی پوری قوم کو دہشت گردی کا سامنا ہے۔ابھی ہم سانحہ پشاور اور شکارپور کی امام بارگاہ کے زخم نہیں بھولے تھے کہ ایک اور دل خراش سانحے نے دل دھلا دیئے۔لاہور میں عیسائیوں کی بستی یوحنا آباد میں اتوار کے روز دو چرچوں میں دعا کے دوران یکے بعد دیگرے دو بم دھماکے ہوئے جس میں اٹھارہ لوگ مارے گئے جبکہ اس حادثے سے بڑا سانحہ یہ ہوا کہ مشتعل ہجوم نے بغیر کسی تحقیق کے دو بے گناہ مسلمانوں کو شک کی بنیاد پر زندہ جلا دیا اور قومی املاک کو نقصان پہنچایا گیا ان کا یہ فعل بذاتِ خود بہت بڑی دہشت گردی ہے۔اگر تمام لوگ اسی طرح بدلہ لینے پر اتر آئیں تو ہمیں بیرونی دشمنوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ریاست پاکستان کو بلاتفریق کسی بھی مذہب،فرقے اور قومیت کے بغیر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہیے۔

ہمارے وطن عزیز میں بڑھتی ہوئی کرپشن،مہنگائی،بدامنی اور لاقانونیت نے عوام کا جینا محال کر دیا ہے اب تو ایسی روح فرسا خبریں آ رہی ہیں کہ کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ اور گوشت میں گندے پانی کی آمیزش جیسے واقعات معمولی دکھائی دے رہے ہیں۔اب تو اخلاقی گراوٹ کی انتہا ہو گئی ہے کیونکہ عوام کو کتوں،گدھوں اور مردار مرغیوں کا گوشت کھلایا جا رہا ہے پہلے یہ زہریلی خبریں کبھی کبھار دور دراز کے مضافات سے آتی تھیں مگر اب لاہور کے بڑے بڑے ریستورانوں میں ہزاروں کلو حرام گوشت روزانہ سپلائی کیا جا رہا ہے۔معاشرتی بداعمالیوں سے تو ہم پہلے ہی دوسری قوموں سے کئی ہاتھ آگے ہیں۔حلال حرام کی تمیز تو مدتوں سے ختم ہو چکی ہے۔ناپ تول میں کمی ہمارا پرانا وطیرہ ہے۔چوری ڈاکے تو روزمرہ کا معمول ہیں مگر ایسی گراوٹ تو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔گوشت خریدنے سے پہلے ایک بار تو ضرور سوچتے ہیں کہ کہیں یہ کتے یا گدھے کا گوشت تو نہیں؟ کیا یہ اللہ کی طرف سے عذاب ہے یا سزا؟

ہمیں اسباب جاننے کی کوشش کرنی چاہیے دیکھا جائے جب تھر میں معصوم بچے ناکافی خوراک کے باعث پے در پے موت کے

شکار بنتے چلے جائیں، جب ہمارا میڈیا زرد صحافت بیچ رہا ہو، میڈیا پر چلنے والے اشتہارات اور دیگر پروگراموں میں بے حیائی، جنسی بے راہ روی اور لش پش طرز زندگی کی نمائش ہو، جب انسانی جان دنیا کی سستی ترین چیز بن جائے تو ایک بے نام سا انجانا خوف رگوں میں اترتا محسوس ہوتا ہے۔

پاکستان کی سرزمین لہولہو ہو چکی ہے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی کو روکنے، معاشرتی برائیوں کا قلع قمع کرنے اور امن وامان قائم کرنے کیلئے حکومت کو موثر اقدامات کرنا ہوں گے۔ ملک میں قرآن وسنت کا نظام رائج کیا جائے۔ لوگوں کو انصاف کی فراہمی یقینی ہو۔ عام لوگوں کی تعلیم وتربیت کیلئے ہر گلی محلے کی مسجد میں دروس کے حلقے قائم ہوں۔ پیمرا اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے اور لوگوں کو فرسٹریشن سے نجات دلائے اور بے لگام میڈیا پر پابندیاں عائد کرے۔ ہر دوسرے سال مردم شماری کروائی جائے حکومت کے علم میں پورا ملک ہو۔ حکومت اگر نیک نیتی سے ارادہ کر لے کہ وہ برائیوں کو ختم کر کے ہی دم لے گی تو اللہ کی مدد ہر حال میں شامل ہوگی۔ ارادے میں بڑی قوت ہوتی ہے۔ حکومت کے ساتھ ساتھ معاشرے کے ہر فرد کو اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ برائی کا بدلہ برائی ہی ہے یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے برائی کی ہو تو اس کے ساتھ برا نہ ہوا ہو جس نے حرام کمایا ہو وہ اس کے کسی کام بھی آیا ہو۔

حکومت اور عوام دونوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اپنا بہترین کردار ادا کرنا ہوگا ورنہ زوال کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

ہمارے پیارے وطن پاکستان کی بنیاد قرارداد پاکستان کی پلاٹینم جوبلی کے موقع پر اسلام آباد شکر پڑیاں پریڈ ایونیو میں سات سال بعد افواجِ پاکستان کی مشترکہ پریڈ کی پروقار تقریب کا انعقاد کیا گیا جس نے نہ صرف وطن کے دفاع کے ساتھ ساتھ قوم اور عسکری قوت کے جوش و جذبے کو اجاگر کیا بلکہ دہشت گردوں کو بھی یہ پیغام دیا کہ قوم ان کی دہشت گردانہ کارروائیوں کو مسترد کر چکی ہے۔ مسلح افواج کے دستوں نے مارچ پاسٹ کی سلامی کے عمل سے گزرتے ہوئے ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کیا۔ جدید جنگی طیاروں نے فضا میں اپنی فنی مہارت کا مظاہرہ کر کے دشمن پر اپنی دھاک بٹھائی۔ اس موقع پر ہماری پاک فوج نے بھارت کو بھی یہ پیغام دیا کہ جارحیت کی صورت میں پاکستان بھارت کو دندان شکن جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس تقریب میں پاکستان نے مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے عین مطابق حل کرنے پر زور دیا جو کہ عالمی اور علاقائی امن کیلئے ضروری ہے۔

ہمارے وطن عزیز پر مسلط دہشت گردی کے ناسور نے سات سال تک اس تقریب کے انعقاد کو روکے رکھا جس کی وجہ سے قوم میں مایوسی اور پژمردگی پائی جاتی تھی مگر اب اس تقریب نے قوم کو نیا عزم اور حوصلہ عطا کیا ہے۔ ہم انشاء اللہ جلد دہشت گردی کی عفریت سے چھٹکارا پالیں گے۔ (آمین)

اللہ آپ سب کا حامی وناصر ہو

دعاؤں کی طالب

آسیہ راشد

علم

(سینے میں علم کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ)

سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات: (عربی متن)

پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

قرآن پاک کا سب سے پہلا لفظ جو نازل ہوا وہ ''اِقرا'' ہے۔ اور قرآن کی سب سے پہلی آیات جو حضورؐ پر نازل ہوئیں وہ یہی پانچ آیات ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولؐ اللہ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں کی شکل میں ہوئی۔ پھر آپؐ تنہائی پسند ہو گئے اور غار حرا میں رہ کر عبادت کرنے لگے۔ یکا یک آپ پر وحی نازل ہوئی اور فرشتے نے آ کر آپؐ سے کہا۔ اقرا پڑھو۔ آپؐ نے کہا ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نے وحی کے یہ الفاظ لکھی ہوئی صورت میں آپؐ کے سامنے پیش کئے تھے۔

یہ اللہ رب العزت کا بڑا کرم ہے کہ اس نے انسان کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔ اور انسان کو صاحبِ علم بنایا۔ اور اسی علم کی بدولت اسے دوسری مخلوقات پر فوقیت دی انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا۔ اس کو قلم کے استعمال سے لکھنے کا فن سکھایا جو علم کی اشاعت، ترقی اور تحفظ کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خود قلم کی قسم کھائی ہے کہ ''قسم ہے قلم کی'' اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔'' کہتے ہیں کہ رب کائنات نے جب تخلیق کیا تو سب سے پہلے قلم تخلیق کیا۔ قلم سے کہا ''لکھ''۔ قلم نے پوچھا ''کیا لکھوں۔'' فرمایا: ''تقدیر کائنات۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق اور اس کی تقدیر کو اپنی کتاب ''لوح محفوظ'' میں لکھ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قلم سے محبت کرتا ہے۔ محبت کی وجہ کیا ہے۔

قلم علم سکھاتا ہے۔

قرآن کی نگاہ میں حقیقی علم کیا ہے؟

سورۂ النور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

کائنات میں کوئی نور اللہ کے نور کے سوا نہیں ہے۔ جو شخص اللہ سے نہ پائے گا وہ تاریکی میں مبتلا ہوگا۔ نور کیا ہے علم ہے۔ روشنی ہے ہدایت ہے۔ اسی سورۃ میں آگے اللہ کہہ رہا ہے کہ ''اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے۔'' یہ وہ لوگ ہیں جو صبح شام اس کی تسبیح کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر دیتے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو حقیقی علم اور حقیقی روشنی پاتے ہیں۔ آگے اللہ کہہ رہا ہے کہ اس کے برعکس جنہوں نے کفر کیا (یعنی اس تعلیم کو، نور اللہ کو قبول کرنے سے انکار کیا) ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے اس پر ایک اور موج ہے، اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی مسلط ہے کہ آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ پائے۔'' (النور) یعنی وہ اپنی پوری زندگی کامل جہالت کی حالت میں بسر کر رہے ہیں خواہ وہ دنیا کی اصطلاحوں میں علامہ اور علوم و فنون کے استاد و ماہر ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور آواز سے تیز رفتار طیارے اور چاند پر پہنچنے کا نام علم ہے۔ اللہ کہہ رہا ہے جنہوں نے اللہ کے نور اس کی ہدایت و علم کا انکار کیا وہ تاریکی میں ہیں۔ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ حقیقی علم تو ایک اور ہی چیز ہے اس علم کے اعتبار سے وہ لوگ جاہل ہیں اور ایک اَن پڑھ دیہاتی ذی علم ہے اگر وہ نور اللہ سے بہرہ مند ہو۔ معرفت حق سے شناسا ہو۔ اللہ کا نور پانے والوں سے مراد سچے اور صالح مومن

ہیں۔

سورۂ مومن میں اللہ کہہ رہا ہے۔ ''پھر کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کا انجام نظر آئے وہ تعداد میں زیادہ تھے، بڑھ کر طاقتور تھے، زمین میں شاندار آثار چھوڑ گئے (انجینئر تھے پہاڑوں کو تراش کے عالیشان مکانات بناتے تھے)۔ جب ان کے رسول ان کے پاس بنیات لے کر آئے تو وہ اسی علم میں مگن رہے جو ان کے پاس تھا۔ تو ان کا کیا ان کے کس کام آیا۔ اللہ کو نسے علم کی دعوت دے رہا ہے۔ سورۂ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''رحمٰن نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔'' یعنی اسلام کی تعلیم دی۔

مسلمان ہونے کے لیے علم کی ضرورت جو شخص بھی اسلام کو، قرآن کی اس تعلیم کو سمجھ کر قبول کرتا ہے خواہ وہ ہندو ہو یا انگریز وہ مسلمانوں میں شامل ہو جاتا ہے ایک دوسرا شخص جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہو، اگر وہ اسلام کی پیروی چھوڑ دے، قرآن کی تعلیمات کو فراموش کر دے تو وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو جائے گا، چاہے وہ سید کا بیٹا ہو یا پٹھان کا کیونکہ مسلمان، مسلمان قوم میں پیدا ہونے سے نہیں ہوتا، مسلمان نسل کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام لانے سے مسلمان بنتا ہے۔ ہر شخص جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے۔ جس کا نام مسلمانوں کا سا ہے، جو مسلمانوں کے سے کپڑے پہنتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہے بلکہ مسلمان درحقیقت صرف وہ شخص ہے جو اسلام کو قرآن کی تعلیمات کو جانتا ہے اور پھر جان بوجھ کر اس کو مانتا ہو۔ ایک کافر اور مسلمان کا اصلی فرق نام کا نہیں وہ رام پرشاد ہے اور یہ عبداللہ۔ اس لیے وہ کافر ہے اور یہ مسلمان۔ بلکہ اصلی فرق ان دونوں کے درمیان علم کا ہے۔ وہ کافر اس لئے ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ اللہ سے اس کا اور اس کا اللہ سے کیا تعلق ہے اور خالق کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ کیا ہے۔ اگر یہی حال ایک مسلمان کے بچے کا بھی ہو تو بتاؤ کہ اس میں اور ایک کافر میں کس چیز کی بنا پر فرق کرتے ہو۔ اسلام کی نعمت کا حاصل ہونا اور حاصل نہ ہونا دونوں باتیں علم پر موقوف ہیں۔ اگر علم نہ ہو تو یہ نعمت آدمی کو حاصل ہی نہیں ہو سکتی اور اگر تھوڑی بہت حاصل ہو بھی جائے تو جہالت کی بنا پر ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ یہ عظیم الشان نعمت اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی اور اس کو خبر ہی نہ ہوگی وہ نادانی کی بنا پر یہ سمجھتا رہے گا کہ میں ابھی تک مسلمان ہوں اندھیرے میں چلتے ہوئے اسے خبر بھی نہ ہو کہ میں سیدھی راہ سے ہٹ گیا ہوں۔ ہو سکتا ہے راستہ میں کوئی دجال مل جائے اور کہے کہ آؤ میں تمہیں منزل تک پہنچا دوں۔ اور وہ اس کو بھٹکا کر کہیں سے کہیں لے جائے۔ یہ خطرات اس شخص کو اس لیے تو پیش آتے ہیں کہ اس شخص کے پاس خود کوئی روشنی، علم نہیں ہے۔ اگر اس کے پاس اپنی روشنی اپنا علم موجود ہو تو ظاہر ہے کہ وہ راستہ نہیں بھولے گا۔ پس سمجھ لیجئے کہ ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑا خطرہ اگر کوئی ہے تو یہی کہ وہ خود اسلام کی تعلیمات سے ناواقف ہو۔ اس جہالت کی وجہ سے وہ خود بھی بھٹک سکتا ہے اور دوسرے دجال بھی اس کو بھٹکا سکتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے پاس علم کی روشنی ہو تو وہ زندگی کے ہر قدم پر اسلام کے سیدھے راستے کو دیکھ سکے گا۔ کفر، شرک اور گمراہی کو پہچان کر ان سے بچ سکے گا۔ بس جان لیجئے کہ اسلام پہلے علم کا نام ہے اور علم کے بعد عمل کا نام ہے۔

علم کی فضیلت

اللہ اور اس کے رسولؐ نے علم کو بہت اہمیت دی ہے۔ جو شخص علم کی اہمیت و فضیلت کو جان لے گا جسے معلوم ہوگا کہ علم دنیا و آخرت دونوں کی ترقی و کامیابی اور سربلندی کا ذریعہ ہے وہ اپنے امکان کی حد تک علم کے حصول کی کوشش کرتا رہے گا۔

احادیث

1۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی سب ستاروں پر (ابوداؤد)

2۔ فرشتے علم کے طالب کی طلب سے خوش ہونے کے باعث اس کے لیے اپنے بازو بچھا دیتے ہیں اور عالم کیلئے بخشش مانگتے ہیں۔ (ابوداؤد)

3۔ جو شخص علم کی طلب میں کسی راہ پر چلا اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔

4۔ آپؐ نے فرمایا: ''دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ (بھی) ملعون ہے سوائے (ان چیزوں کے) اللہ کا ذکر، اور وہ جس کا اللہ کے ذکر سے تعلق ہو اور علم رکھنے والا اور علم سیکھنے والا (ابن ماجہ)

5۔ آدمی اپنی موت کے بعد دنیا میں جو کچھ چھوڑ دیتا ہے تین چیزیں باقی رہ جانے والی ہیں۔

۱۔ نیک اولاد جو بعد میں اس کیلئے دعائے خیر کرتی ہے۔

۲۔ صدقہ جاریہ جس کا اجر اسے پہنچتا رہتا ہے۔

۳۔ وہ علم جس پر اس کے بعد عمل ہوتا رہتا ہے۔

(ابن ماجہ)

امام شافعیؒ علم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جو شخص علم سے محبت نہ کرے اسے اپنا دوست نہ بناؤ۔''

''علم دین حاصل کرنے میں لگے رہنا نفل نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔''

امام زہریؒ کہتے ہیں کہ علم سے بہتر کوئی چیز نہیں جس سے خدا کی عبادت ممکن ہو۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صرف اللہ کی خوشنودی کیلئے حدیث کا علم حاصل کرنا دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت 201 میں اللہ نے جو دُعا سکھائی ہے۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة o

اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت کی بھلائی دے۔

اس آیت کی تشریح میں حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ دنیا کی بھلائی سے مراد علم اور عبادت ہے۔

اسی کے بارے میں حضرت سفیان ثوریؒ کا بیان یہ ہے کہ دنیا کی بھلائی سے مراد رزقِ حلال اور علم ہے۔

علم کی قدردانی

اسلامی معاشرے میں علم والوں کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ کاتبِ وحی حضرت زیدؓ بن ثابت ایک دفعہ کسی جنازے میں شامل ہوئے۔ نماز کے بعد سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے رکاب تھام لی۔ حضرت زیدؓ نے کہا کہ اے رسولِ خداؐ کے چچازاد بھائی رکاب چھوڑ دیجئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عالموں اور بڑوں کی تعظیم اس طرح کریں۔

امام بخاریؒ جب علم حاصل کر کے اپنے وطن بخارا آئے تو اہل بخارا نے نہایت جوش وخروش سے ان کے استقبال کی تیاریاں کیں۔ شہر سے تین میل کے فاصلے پر خیمے لگائے گئے اور تمام اہل بخارا ان کے استقبال کیلئے آئے یہاں تک کوئی قابلِ ذکر شخص شہر میں نہ رہا۔ پھر ان کی شان میں اشرفیاں ان کے سر پر نچھاور کی جاتی تھیں۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ زید بن اسلم صالح تابعی تھے، ان کو ایک نظر دیکھ لینے سے عبادت کی قوت پیدا ہوتی تھی۔ ابوحازم کہتے ہیں ''خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں زید کو اس لیے دیکھتا ہوں کہ ان کو دیکھنے سے تیری عبادت کی طاقت آتی ہے۔''

جب امام طاؤس تابعیؒ کا جنازہ اٹھایا گیا تو آدمیوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ جنازہ کسی طرح نہ نکل سکا۔ آخر حاکمِ وقت نے فوج بھیجی۔ حضرت عبداللہ بن حسن جنازہ اٹھائے ہوئے تھے۔ لوگوں کی کشمکش سے ان کا لباس پارہ پارہ ہو گیا۔ (فوج کے اہتمام سے جنازہ نکلا)۔

آج بھی اگر ہم دیکھیں تو فرانس کی عدالت میں استاد کے سوا کسی کو کرسی پیش نہیں کی جاتی۔ جاپان میں استاد کی گرفتاری کیلئے پولیس کو خصوصی اجازت لینی پڑتی ہے اور امریکہ میں تین قسم کے لوگوں کو VIP Status دیا جاتا ہے۔ معذور، استاد، سائنس دان۔

آج ہم اپنا حال دیکھیں کہ VIP Status کس کو دیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا شوقِ علم

امام ابن تیمیہؒ کے خاندان کی علم دوستی کا یہ حال تھا کہ جب ان کے وطن پر تاتاریوں نے حملہ کیا اور انہوں نے وہاں سے ہجرت کی تو اپنا باقی مال ومتاع تو وہیں چھوڑ دیا مگر اپنا قیمتی کتب خانہ ایک گاڑی پر لاد کر ساتھ لے گئے۔ گاڑی کو چلانے کے لیے جانور بھی نہ تھے گاڑی کو خود کھینچتے تھے۔ پریشانی کا عالم ہے تاتاریوں کا ہر وقت خوف ہے، عورتیں بچے ساتھ ہیں لیکن انہوں نے اپنا کتب خانہ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

مردوں کے علاوہ خواتین بھی شروع سے علم کی پیاس وطلب رکھتی تھیں۔تفسیر، حدیث، فقہ میں متعدد صحابیات کمال رکھتی تھیں۔ان میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمیٰؓ کی مثال نہیں ملتی۔صحابہ بھی آپ کے علم سے فیض حاصل کرتے تھے۔

شوق علم میں نابینا اور غلام افراد بھی صحتمند اور آزاد افراد سے پیچھے نہیں تھے۔32 ایسے علمائے دین کے نام ملتے ہیں جو نابینا تھے اور یہ بڑے بڑے علماء کی صف میں شامل ہوئے۔انہیں نابینا علماء میں مشہور تابعی حضرت قتادہؒ کا نام بھی ہے جو حضرت سعید بن مسیّب کے شاگرد تھے۔غلاموں میں حضرت عکرمہؒ اور حضرت نافعؒ جنہوں نے اپنے علمی فضل وکمال کے باعث لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کی۔حضرت عکرمہ ''علم کا سمندر'' کہلاتے جدھر سے گزر جاتے شائقین کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے۔ایک دفعہ کسی کے گھر گئے۔لوگوں کا اتنا ہجوم ہوگیا کہ انہیں مجبور ہوکے چھت پر چڑھ جانا پڑا۔

علم کی راہ میں مشقتیں

امام مالکؒ کا قول ہے کہ ''یہ علم حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی راہ میں فقر وفاقہ کی لذت نہ چکھی جائے۔'' ایک اور مقولہ ہے کہ علم اسے راس نہیں آتا جو پیٹ بھر کے کھانا کھائے۔

حجاج بغدادی کا مشہور واقعہ ہے کہ جب علم حاصل کرنے جانے لگے تو ماں نے 100 کلچے پکا دیئے، روز ایک کلچہ دریائے دجلہ کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور استاد سے پڑھتے رہتے۔اسی طرح امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ہمارے گھر سویرے تڑکے دہی چپڑی روٹی تیار ہوجاتی۔ہم اس کا ناشتہ کر کے طلب علم میں نکل کھڑے ہوتے۔پھر لوٹتے تھے اور یہی روٹی کھا لیتے تھے لیکن چٹورے لڑکے اچھے اچھے کھانوں کی چاٹ میں اٹے رہتے تھے اور علم سے محروم رہ جاتے۔حضرت ابو الدرداءؓ فرمایا کرتے ''یہ کیا ہے کہ میں تمہیں کھانوں سے لبریز اور علم سے خالی دیکھتا ہوں۔''

طالبانِ علم نے علم کی راہ میں فقر وفاقہ کی مصیبتیں سہیں، لمبے لمبے سفر کیے شدید سردی اور شدید گرمی کی تکالیف برداشت کیں مگر علم کا دامن نہ چھوڑا فنِ حدیث کے عالی مرتبہ امام ابو حاتم رازی اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ زمانہ طالب علمی میں ایک وقت تنگ دستی کی یہ نوبت آئی کہ کپڑے تک بیچ دیئے۔پیسے ختم ہوگئے تو دو دن بھوکے رہے۔حکیم ابو نصر فارابی چراغ کیلئے تیل خریدنے سے معذور تھے تو پاسبانوں کی قندیلوں کی روشنی میں پڑھا کرتے تھے۔پھر علم کے راستے میں ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک کا سفر کیا کرتے تھے۔امام بخاریؒ نے 14 برس کی عمر میں سفر شروع کیا۔بعض نے ایک کتاب حاصل کرنے کیلئے 70 منزل کا سفر کیا۔

حصولِ علم کے ذرائع

1۔مطالعہ:

درجات کی بلندی علم پہ موقوف ہے۔روزمرہ کے کاموں میں مطالعہ کو ایک معین جگہ دیں۔مطالعہ حیرت انگیز اثرات پیدا کرنے والا عمل ہے۔حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میری زندگی کے 40 سال ایسے گزرے کہ سوتے جاگتے کتاب میرے سینے پہ رہتی تھی۔نفس کے تزکیہ کے لئے اچھی کتابوں کا مطالعہ از حد مفید ہے۔یہ وہ تیل ہے جو چراغ میں ڈالا جاتا ہے، جذبوں کو جلانے اور جلائے رکھنے کے لئے۔مطالعہ قرآن وسیرت النبیؐ بار بار گہری نظر سے پڑھیں۔صرف عقیدت کی پیاس بجھانے کے لئے نہیں بلکہ ہدایات اور رہنمائی حاصل کرنے کیلئے۔مطالعہ قرآن کو Prime Time دیں۔شوق سے دیا جانے والا ٹائم۔یکسوئی سے دیا جانے والا ٹائم۔پھر قرآن راستہ بتائے گا، شفا دے گا، حدیث میں آتا ہے کہ قرآن کے علم کے مقابلے میں کسی دوسرے علم کو زیادہ وقت نہ دیں۔حدیث کا مطالعہ..... حدیث قرآن کی تشریح ہے۔حدیث کے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جا سکتا۔قرآن بتاتا ہے کہ کیا کرو۔حدیث کہتی ہے کیسے کرو۔طریقہ اور راستہ حدیث بتاتی ہے۔قرآن و حدیث کے بعد لٹریچر کا مطالعہ بھی از حد ضروری ہے۔لٹریچر آج کے حالات میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، دلیل دیتا ہے کہ کیوں کروں۔اپنے دور کے شبہات، وہم اور کنفیوژن کو دور کرتا ہے۔اپنے دور کے سوالات کا حل بتاتا ہے۔ایسے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے جو اسلامی نظام حیات کے

متعلق بتائے اور کنفیوژن کو دور کر کے ثابت قدم رکھے۔

2۔ دینی اجتماعات

ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دینی اجتماعات میں شرکت کی جائے۔ توجہ سے اس کو سنا جائے اور یاد رکھنے کی کوشش کی جائے۔ ہفتہ وار اجتماعات اور کلاسز میں شرکت از حد مفید ہوتی ہے۔ حصول علم کے لئے جو بھی پروگرام بنائیں چاہے مختصر ہو مگر اس میں ناغہ کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ گھر کی ذمہ داریاں اپنی جگہ اہم ہیں مگر ایک حقیقت ہے کہ ہم گپیں مارنے میں گھنٹوں اپنا وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ بحث و مباحثہ اور ضرورت سے زیادہ بولنا کم کر دیں۔ یہ دلوں کو سخت کر دیتا ہے۔ علم کا شوق پیدا ہو جائے تو راہ کی مشقتیں آسان ہو جائیں گی۔

3۔ علم والوں کی صحبت

دوستی کیلئے جو انتخاب ہم لوگوں کا کرتے ہیں یہ انتخاب عقلمندی کا ہونا چاہیے۔ کیونکہ رشتہ داری تو خدا کی طرف سے ہوتی ہے جیسے بھی رشتہ دار مل گئے انہیں بدلا نہیں جا سکتا۔ اچھائی، برائی، علم اور جہالت یہ سب متعدی چیزیں ہیں اور اپنے اردگرد لازماً اپنے اثرات پھیلا کر رہتی ہیں۔ لہٰذا انسان اپنا جو حلقہ احباب چنے وہ اہلِ علم کا ہو۔ کیونکہ خدا دانائی کے نور سے مردہ دلوں کو اس طرح زندہ کرتا ہے جس طرح مینہ سے مردہ زمین کو۔

☆.....☆.....☆

احادیثِ رسولؐ

۱۔اسلامی سیاست

اسلام اور حکومت وریاست دو جڑواں بھائی ہیں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی سی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو اسے لوٹ لیا جاتا ہے۔ (کنزالعمال)

اگر تم پر نکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کی سنو اور اطاعت کرو (مسلم شریف)

جس نے خدا کے دین کو قائم کرنے والی حکومت کا احترام دنیا میں کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس پر اپنا کرم فرمائے گا اور جس نے ایسی حکومت کی تحقیر وتوہین دنیا میں کی ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو ذلیل اور رُسوا کرے گا۔ (ترمذی)

قیامت کے دن اللہ کے دربار میں بہترین مرتبے والا عادل حکمران ہوگا جو نرمی کرنے والا ہو اور بدترین شخص مرتبے میں قیامت کے دن ظالم حکمران ہوگا جو لوگوں پر سختی کرتا ہو۔ (ترمذی)

تمہارے بہترین سردار وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور جن کو تم دعا دو اور وہ تمہیں دعا دیں اور تمہارے بدترین سردار وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں اور جن پر تم لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔ (مسلم شریف)

میری امت کے دو قسم کے لوگوں کی حالت جب تک درست ہو گی تو امت کی حالت بھی درست اور بہتر ہوگی اور جب ان کی حالت خراب ہو جائے گی تو امت میں بھی بگاڑ اور خرابی پیدا ہو جائے گی ان سے مراد حکمران اور علماء ہیں۔ (کنزل العمال پر حاشیہ مسند احمد)

جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر امیر (حکمران) مسلط ہوں گے (مشکوٰۃ)

حکومت اُس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو (ابوداؤد، مسندِ احمد)

وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائے گی جس نے اپنی زمامِ کار ایک عورت کے سپرد کردی۔ (بخاری)

بخدا ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو۔ (بخاری ومسلم)

تین قسم کے افراد ہیں جن کی نمازیں ان کے سروں سے بالشت بھر بھی اونچی نہیں ہوتیں ایک وہ جو لوگوں کا امام بنا ہوا ہے حالانکہ وہ اسے ناپسند رکھتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (بوجہ ناراضی) مخاطبت نہ فرمائے گا.....

ایک اس شخص سے جس نے خلیفہ سے بیعت صرف دنیوی غرض سے کی ہو۔ (بخاری)

میرے بعد کچھ لوگ حکمران ہونے والے ہیں جو ان کے جھوٹ میں ان کی تائید کرے اور ان کے ظلم میں ان کی مدد کرے وہ مجھ سے نہیں اور میں اُس سے نہیں۔ (نسائی)

عنقریب تم پر ایسے لوگ حاکم ہوں گے جن کے ہاتھ میں تمہاری روزی ہوگی۔ وہ تم سے بات کریں گے تو جھوٹ بولیں گے اور کام کریں گے تو بُرے کام کریں گے۔ وہ تم سے اُس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کی برائیوں کی تعریف اور اُن کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرو۔ پس تم ان کے سامنے حق پیش کرو جب تک وہ اسے گوارا کریں۔ پھر اگر وہ اس سے تجاوز کریں تو جو شخص اس پر قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ (کنزالعمال)

تم پر ایسے لوگ بھی حکومت کریں گے جن کی بعض باتوں کو تم معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر تو جس نے ان کے منکرات پر اظہارِ ناراضگی کیا وہ بری الذمہ ہوا اور جس نے ان کو ناپسند کیا وہ بھی بچ گیا۔ مگر جو ان پر راضی ہوا اور پیروی کرنے لگا وہ ماخوذ ہوگا۔ صحابہ نے پوچھا: پھر جب ایسے حکام کا دور آئے تو کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔ (مسلم)

کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حالت میں مرے کہ وہ اُن کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اُس پر جنت حرام کردے گا۔ (بخاری و مسلم)

جب تمہارے امراء تمہارے بدترین لوگ ہوں اور تمہارے دولت مند بخیل ہوں اور جب تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اُس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔ (یعنی موت زندگی سے بہتر ہے) (ترمذی)

☆.....☆.....☆

(۲) علم

جو علم حاصل کرنے گھر سے نکلے وہ حالتِ جہاد فی سبیل اللہ میں ہے جب تک وہ واپس نہ آجائے۔ (ابوداؤد)

جو کوئی علم طلب کرنے کے لیے کسی راہ پر چلا اللہ اس کے سبب سے اسے جنت کی طرف جانے والی راہوں میں سے کسی راہ پر چلائے گا اور فرشتے خوشی کے باعث طالب علم کے لیے اپنے بازو بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لیے بخشش مانگتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور مچھلیاں جو پانی کے اندر ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی سب ستاروں پر۔ بے شک عالم لوگ انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ تحقیق انبیاء دینار یا درھم کا ورثہ نہیں چھوڑتے وہ تو صرف علم کا ورثہ چھوڑتے ہیں پس جس نے اسے حاصل کرلیا اُس نے وافر حصہ حاصل کرلیا۔ (ابوداؤد)

دو ہی انسانوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ شخص جسے خدا نے مال دیا ہے اور پھر اسے اس بات پر قدرت دی کہ اسے راہِ حق میں خرچ کرے اور (دوسرے) وہ شخص جسے اللہ نے دانائی عطا کی پس وہ اس کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے اور اُس کی تعلیم دیتا ہے۔ (بخاری)

تم میں سب سے بہتر اور افضل بندہ وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے۔ (بخاری)

علم عمل کا امام ہے عمل اس کا تابع ہے، سعید لوگوں کو اس کا الہام کیا جاتا ہے اور بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

دنیا ملعون ہے، جو کچھ دنیا میں ہے وہ ملعون ہے سوائے (ان چیزوں کے) اللہ کا ذکر اور وہ جس کا اللہ کے ذکر سے تعلق ہو دیا جس کو اللہ پسند کرتا ہو) اور عالم اور طالب علم (ابن ماجہ)

آدمی اپنی موت کے بعد جو کچھ دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اس میں سے بہترین چیزیں تین ہیں۔ (ایک) نیک اولاد جو (بعد میں) اس کے لیے دعا کرتی رہے (دوسرے) صدقہ جاریہ جس کا اجر اُسے پہنچتا رہتا ہے۔ (تیسرے) وہ علم جس پر اس کے بعد عمل ہوتا رہتا ہے۔ (ابن ماجہ)

اللہ کو جس کی بھلائی منظور ہوتی ہے اُس کو دین کی سمجھ عنایت فرماتا ہے..... (بخاری) اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات کو سن کر اُسے یاد رکھا، پھر اس کو پہنچا دیا کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو سمجھ کی بات کو ایسے انسانوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں سمجھ کی بات معلوم ہوتی ہے مگر وہ سمجھدار نہیں ہوتے۔ (ابوداؤد)

مومن کا پیٹ بھلی باتوں سے نہیں بھرتا وہ سنتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ (ترمذی)

علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی تیرے لئے مفید ہوگا لیکن جہالت کے ساتھ زیادہ عمل بھی فائدہ نہ پہنچائے گا۔ (حاکم)

اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے بندوں کے سینوں سے کھینچے بلکہ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا یہاں تک کہ جب کوئی علم والا نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے۔ پھر ان سے (دینی مسائل) پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے پھر

گمراہ کریں گے اور گمراہ ہوں گے۔ (بخاری)

قیامت کی نشانیوں میں یہ بھی ہے کہ علم اُٹھ جائے گا جہالت جم جائے گی اور شراب پی جائے گی اور زنا علانیہ ہوگی۔ (بخاری)

قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم گھٹ جانا، جہالت پھیل جانا، زنا علانیہ ہونا اور عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا کام چلانے والا ایک مرد رہے گا۔ (بخاری)

میرے روبرو میری امت کے گناہ کئے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کسی کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو پھر اس کو بھلا دے۔ (ابوداؤد)

جس نے کوئی ایسا علم سیکھا جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے لیکن وہ اسے صرف اسی لئے سیکھتا ہے کہ اس کے ذریعے دنیا کا سامان حاصل کرے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

''اللہ کے ساتھ جب الحزن سے پناہ مانگو'' پوچھا گیا یا رسولؐ اللہ! جب الحُزن کیا ہے؟ فرمایا: ''جہنم میں ایک وادی ہے جس سے خود جہنم روزانہ چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔'' پوچھا گیا اس میں کون داخل ہوں گے؟ فرمایا: ''ایسے علماء جو اپنے اعمال کی نمائش کرتے پھرتے ہیں۔ (ترمذی) ابن ماجہ کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ ''اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ترین علماء وہ ہیں جو حکامِ وقت (یعنی ظالم ارباب حکومت) کی بارگاہوں کا طواف کرتے رہتے ہیں۔

جس سے کسی ایسی بات کے بارے میں سوال کیا گیا جو اس کے علم میں ہے پھر اُس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن وہ آگ کی لگام پہنایا جائے گا۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی)

جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔ (ابوداؤد)

جو علم طلب کرتا ہے تا کہ دوسرے علماء کا ہمسر ہو جائے یا بے وقوفوں سے بحث و مناظرہ کرتا پھرے یا اس کے ذریعے لوگوں کا رُخ اپنی طرف پھیر دے تو اسے اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرے گا۔ (ترمذی)

ایک بار میں سو رہا تھا میرے سامنے دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے پی لیا (یہاں تک کہ) میرے ناخنوں پر تازگی دکھائی دینے لگی۔ پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمرؓ کو دے دیا'' لوگوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ فرمایا: علم (بخاری)

☆.....☆.....☆

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ایمان ووفا کی ساتھی

مصطفیٰ فی قلب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مکہ سے میلوں دور ویران راستے کا دشوار سفر، 866 میٹر کی مشکل چڑھائی!

یہ اماں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی میرے نبی ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت تھی جو انہیں خوشی سے آمادہ کرتی تھی کہ وہ خود ہی اپنے شوہر محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے کر اس لمبے اور مشکل راستے پر نکل کھڑی ہوتیں تھیں۔

تپتے صحرا میں پیدل ہی جبل نور جا پہنچتی تھیں
محبت میں یہ سفر انہیں سفر ہی نہیں لگتا تھا
لگتا بھی کیسے؟
ان کا رفیق حیات وہیں غار حرا میں جو موجود تھا
غور وفکر میں مصروف
انسانوں کی ہدایت کے لئے فکرمند اور پریشان
روشنی کی تلاش میں!
ایسے میں بھلا وہ گھر پر چین سے کیسے بیٹھ سکتی تھیں؟

محبت کرنے والے شوہر ﷺ کئی کئی دن کے لئے گھر سے دور چلے جاتے تھے مگر وہ کوئی حرف شکایت زبان پر لائے بغیر خود ہی ان ﷺ کی تلاش میں روانہ ہو جاتی تھیں اور سخت چٹانوں سے گذر کر غارِ حرا جا پہنچتی تھیں اور یوں بھی ہوا کہ غارِ حرا میں وہ تین میں سے تیسری تھیں یعنی

اللہ کا نبی ﷺ، محبت سے سرشار بیوی رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اور اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ

ایسے ایک موقعہ پر جبرئیل نے انہیں ان کے رب کا سلام بھی پہنچایا،
سبحان اللہ کیا شرف ہے، کیا اعزاز ہے!

بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ کبھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہیں پہاڑ کے دامن میں رات بھی گزار لیتی تھیں (وہاں اس وقت مسجد عجابہ موجود ہے) صبح آپ ﷺ واپس غار حرا تشریف لے جاتے اور وہ گھر واپس لوٹ آتیں۔

انہیں ہر لمحے آپ ﷺ کی فکر دامن گیر رہتی اکثر اپنے ملازموں کو کھانے پینے کی چیزیں دے کر آپ ﷺ کی طرف روانہ کرتیں۔ اور خیر خبر لانے کا کہتیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے عظیم شوہر اور ان کے عظیم مقصد کی خاطر اپنا سب کچھ لگا دیا، کچھ بچا کر نہیں رکھا وہ سارا مال جو کئی برسوں کی تجارت سے انہوں نے کمایا تھا یا انہیں ورثے میں ملا تھا وہ چند برسوں میں انہوں نے بخوشی اپنے شوہر کی جدوجہد کی نذر کر دیا۔ انہوں نے کبھی کسی تحریکی ذمہ داری سے اپنے شوہر کو نہیں روکا۔ شعب ابی طالب کی مشکلات ہوں یا دعوت دین کے لیے کھانے کی دعوتوں کا اہتمام، ان کا گھر، ان کا باورچی خانہ، ان کی دولت، ان کے ملازم سب کچھ پورے خلوص سے محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے وقف تھے۔ چشم فلک نے اکثر یہ منظر دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر گھر دستک دے کر لوگوں کو کھانے پر بلاتے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود کھانا بناتیں اور یہ کارکنان تحریک اسلامی مل کر آپ ﷺ کے لیے دعوت دین پیش کرنے کا موقع فراہم کرتے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اکثر کہا کرتی تھیں۔۔

''خوف زدہ نہ ہوں بے شک اللہ آپ ﷺ کی حفاظت کرے گا کیونکہ آپ ﷺ اپنے رشتہ داروں کی دیکھ بھال کرتے ہیں، کمزوروں کی مدد کرتے ہیں، آپ ﷺ مہمان نواز ہیں، آپ ﷺ مسلسل سچ کی تلاش میں رہتے ہیں اور آپ ﷺ نے اپنی زندگی مکمل طور پر نیک اعمال کے لئے وقف کر دی ہے''

اللہ اپنے بندے کو وحی کیلئے تیار کر رہا تھا۔ ایسے ایک موقع پر غار حرا کے انتہائی پرسکون اور خاموش ماحول میں آپ ﷺ نے جبرئیل امین کی آواز میں سلام سنا تو اس واقعے سے آپ ﷺ کا دل دہل گیا، آپ ﷺ مضبوط اور طاقتور اعصاب کی مالکہ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اور پریشانی سے فرمایا کہ

خدا کی قسم مجھے بے چینی ہے کہ کچھ ہونے والا ہے

اماں خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا

''آپ ﷺ نے کیا الفاظ ادا فرمائے ہیں؟ ہم خدا سے پناہ طلب کرتے ہیں کیا خدا آپ ﷺ کو تنہا چھوڑ سکتا ہے کیا آپ ﷺ اپنے فرائض ادا نہیں کرتے؟ آپ ﷺ اہل وعیال کا خیال رکھتے ہیں اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔''(11)

ذرا غور کیجئے! کس خوبصورتی سے اماں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی مہربان ﷺ کو ان کی نیکیاں یاد دلا کر، حقوق العباد کی ادائیگی کا ذکر کر کے، اللہ کے بندوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی دردمندی اور تڑپ کا حوالہ دے کر انہیں حوصلہ دیا۔ ایسے موقع پر جب عام طور پر خواتین پر یشان ہو کر خود ہی ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتی ہیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی مہربان ﷺ کو مضبوط لفظوں اور استعاروں میں امید دلائی۔

اماں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میرے نبی مہربان ﷺ کی رفاقت میں کیا کیا دکھ نہیں سہے؟

ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ کے ساتھ اماں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود اپنی دو پیاری بیٹیوں کو رخصت کیا اس وقت انہوں نے سوچا ہوگا کہ یہ اپنے گھروں میں خوش رہیں گی، عزت پائیں گی مگر پھر ہوا یہ کہ جب اماں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سرتاج کو کائنات کی سرداری کے منصب سے نوازا گیا، اور نبوت کا تاج ان کے سر پر سجا دیا گیا تو ابولہب اور سرداران قریش کی جاہلی عصبیت نے عتبہ اور شیبہ کے ہاتھوں دونوں پیاری بیٹیوں کو طلاقیں دلوادیں اور یوں اچانک اپنے گھروں میں ہنسی خوشی رہنے والی دونوں بیٹیاں کا شانہ نبوت ﷺ کو لوٹ آنے پر مجبور ہو گئیں یہ کس قدر تکلیف دہ اور دکھ کا مقام تھا؟

چشم تصور سے دیکھیے کہ کیسا عزت دار گھرانہ، مال و دولت اور آسائش و آرام، نازوں میں پلی بڑھی بیٹیاں جنہیں بڑی چاؤ سے خود تحفے اور مال و اسباب دے کر ماں نے رخصت کیا ہو انہیں طلاق ہو جائے مگر ماں کی زبان سے اُف تک نہ نکلے وہ صبر و حوصلے کا پہاڑ بن کر پہاڑ جیسے دکھ کو اللہ کی رضا کے لیے قبول کر لے۔ رضی اللہ عنہا

یہ ہے میری اور آپ سب کی اماں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اور نبی مہربان ﷺ سے ان کی وفاداری اور بے لوث محبت جس نے انہیں نبی کریم ﷺ کے دل کا ایسا مکین بنا دیا کہ آپ ﷺ نے ان کی زندگی میں تو کیا ان کی وفات کے کافی عرصہ گزرنے کے باوجود دوسری شادی نہیں کی اور بعد میں بھی ہمیشہ ان کو اتنی عزت اور احترام سے یاد رکھا کہ دیگر ازواج مطہرات ان پر رشک کرتی تھیں۔

مکہ میں آزمائش کے بدترین دن ہیں شدید دباؤ ہے، معاشرتی اور معاشی مشکلات، ایذا رسانیاں اور مشرکین کی دکھ دینے والی حرکتیں عروج پر ہیں ایسے میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا کوئی سرُور ہے تو وہ ننھا معصوم سا بیٹا ہے جو اماں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور میرے نبی مہربان ﷺ کے لیے خوشیوں کا سامان ہے، یہ پیارا سا کھلونا، اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا، ماں اسے دیکھ کر اپنے دکھ بھول جاتی ہے یہ ننھا پھول ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اور اس کی جان ہے کہ اچانک گھٹنوں کے بل چلنے والا یہ ننھا قاسم مرض الموت میں مبتلا ہو جاتا ہے ماں کو صاف نظر آنے لگتا ہے کہ اب دمِ رخصت ہے، دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے، چہرہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا ہے، بے اختیار سسکیاں نکل آتی ہیں، ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں، شکستہ دل کے ساتھ اپنے مہربان شوہر کے پاس جا پہنچتی ہیں اور لرزتے ہونٹوں کے ساتھ عرض کرتی ہیں

''قاسم ہم سے رخصت ہونے کو ہے میری خواہش تھی کہ اس کی عمر طویل ہوتی وہ دودھ چھڑانے کی عمر تک پہنچ پاتا''

رفیقہ حیات کی زبان سے اپنے اکلوتے بیٹے کی موت کا ذکر!

کیا قیامت کا لمحہ ہے گھر میں مسکراہٹیں اور کلکاریاں دم توڑنے کو ہیں، وہ جو بڑھاپے کا سہارا تھا، آنے والے دنوں میں جس نے دست و

بازو بنا تھا وہ ابدی نیند سونے جا رہا ہے، دل غمزدہ ہے، آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں مگر زبان رسالت ﷺ سے بس وہی نکل رہا ہے جو اللہ کی رضا کے مطابق ہے آپ ﷺ اپنی عزیز از جہاں بیوی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ اپنے شیر خواری کے دن جنت میں پورے کرے گا''

شوہر کی اس خوبصورت بات کو سن کر حوصلہ ملا۔

تسلیم و رضا کی پیکر اماں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بول اٹھتی ہیں

''کاش مجھے یہ معلوم ہوتا تو یہ بات میرے لیے زیادہ قابل برداشت ہوتی''

محبوب بیوی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلند حوصلہ پا کر آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

''خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہو تو میں اللہ سے دعا کروں تم اپنے لخت جگر کی آواز ہی سن پاؤ؟''

مگر اللہ اور اس کے رسول سے اپنے ماں باپ اور بچوں سے بڑھ کر محبت کرنے والی اماں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

نہیں جو کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فرما دیا مجھے قبول ہے (12)

یہی نہیں اس عظیم المرتبہ ہستی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پھر اپنے دوسرے بیٹے عبداللہ کو بھی ننھی سی عمر میں اپنے ہاتھوں سے رخصت کرنا پڑا اور وہ صبر و شکر کی تصویر بنی اس صدمے کو بھی جھیل گئیں۔

اپنے شوہر ﷺ کے لیے فکر مندی اور شکر کے جذبات، ان کی خیر خواہی، ان کے گھر کی حفاظت، ان کی عزت و وقار کا تحفظ، مضبوط اعصاب کے ساتھ دکھ کے مرحلے پر عزم و حوصلہ کا پہاڑ بن جانا اور شکوہ سے اپنی زبان کو محفوظ رکھنا اور مسلسل، متواتر، بار بار صبر، ہر مشکل میں صبر اور حوصلہ یہ وہ عناصر ہیں جن سے مل کر اماں خدیجہ کی شخصیت مکمل ہوتی ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

وحی کی آمد آمد کے مرحلے اور اماں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی محبت بھری رفاقت میں آپ ﷺ زندگی سے آگے بڑھ رہی ہے، پرسکون گھر، محبت کرنے والی بیوی، مالی خوش حالی، پیارے بچے، مگر آپ ﷺ اپنے اردگرد کے خراب حالات، سسکتی انسانیت اور اللہ کی زمین پر اللہ کے بندوں پر اللہ کے دشمن کی مرضی چلتا دیکھ کر کڑھتے تھے۔ آپ ﷺ کو خانہ کعبہ کے اندر بت اور باہر برہنہ طواف تکلیف دیتا تھا اور جب کہیں سکون نہ ملتا تھا تو آپ ﷺ ویرانے کی طرف نکل جاتے ہیں آپ ﷺ کو کسی ابدی سچائی کی تلاش تھی انہی دنوں آپ ﷺ کو سچے خواب بھی دکھائی دینے لگے تھے اور ایسے ہر موقع پر آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دل کی بات کیا کرتے تھے۔

ایک روز آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ گھر کی چھت کی لکڑیاں اپنی جگہ سے ہٹیں وہاں ایک راستہ بنا پھر چاندی سے بنی ایک سیڑھی نصب کی گئی اور اس میں سے دو آدمی گھر میں اتر آئے اور وہ آپ ﷺ کے دونوں اطراف بیٹھ گئے ایک نے آپ ﷺ کے سینے کے اندر ہاتھ ڈال کر آپ ﷺ کا دل باہر نکال لیا

''اس بھلے آدمی کا دل کتنا اچھا ہے''

ایک نے دوسرے سے کہا

اور پھر آپ ﷺ کے قلب مبارک کو صاف کر کے واپس رکھ دیا اور وہ دونوں افراد جس راستے سے آئے تھے اسی سے واپس لوٹ گئے۔ آپ ﷺ بیدار ہوئے تو آپ ﷺ نے گھبراہٹ سے اس خواب کا ذکر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کیا اور ہر ایسے موقع کی طرح انہوں نے بڑی محبت، نرمی اور ملائمت سے آپ کو حوصلہ دیا۔ (13)

اور پھر آخر وہ دن آ گیا

ورقہ بن نوفل کی پیش گوئیوں اور آپ ﷺ کے پیغمبرانہ طرز زندگی کو دیکھ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس دن کے انتظار میں تھیں۔ رمضان کی ساعتوں میں وہ نصیب ہو ہی گیا جب آپ ﷺ آسمان اور زمین کے درمیان رابطہ کا ذریعہ بنائے جانے کا پروانہ لے کر غارِ حرا سے نیچے

اترے تو خوف اور دہشت کی شدت انہیں اگر کسی پناہ گاہ کی طرف لے آئی تو وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تھیں۔

آپ ﷺ خوفزدہ اور پریشان گھر پہنچے تو یہی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جنہوں نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کو سنبھالا آپ ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا

''مجھے کمبل اوڑھا دو''

اس بار نبی مہربان ﷺ غیر معمولی طور پر زیادہ دنوں کے بعد واپس لوٹے تھے مگر جب آپ ﷺ واپس پلٹے تو اتنے پریشان تھے کہ جتنے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ شوہر کی پریشانی میں وفا شعار بیوی ہمیشہ کی طرح حوصلہ اور امید کا پہاڑ بن گئیں اور آنے والی صدیوں کیلئے اپنی بیٹیوں کو یہ پیغام دے گئیں کہ شوہر کو اس زندگی کے مشکل مرحلوں میں محبت اور خلوص کے جذبات اور جملوں کی ضرورت ہوتی ہے اسے توجہ اور پیار چاہیئے ہوتا ہے ایسے ہر موقعہ پر خود حوصلہ نہیں کھو دینا ہوتا بلکہ شوہر کا بھی سہارا بننا ہوتا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کو سنبھالا اور نبی ﷺ سے وحی کی روداد سننے کے بعد فرمایا۔

''آپ ﷺ بالکل نہ ڈریں خدا آپ کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کرے گا جس سے آپ کو نقصان ہو یہ تو خوفزدہ نہیں خوش ہونے کا مقام ہے۔''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اور بھی بہت کچھ فرمایا

مثلاً دیکھیں کہ یہ کتنی خوبصورت بات ہے کہ

''اے محمد ﷺ آپ کو خوشخبری ہو، مستقل مزاج اور ثابت قدم رہیئے ،اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مجھے یقین ہے کہ آپ ﷺ ہی اس قوم کے نبی ہیں''

آپ ﷺ کا حوصلہ اور ڈھارس بندھانے کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوراً معاملہ کو سمجھنے کیلئے اپنے استاد ورقہ کی طرف دوڑ پڑیں انہیں سارا واقعہ کہہ سنایا

ہر لفظ گویا ورقہ کی سماعتوں پر بجلی بن کر گرتا چلا گیا وہ فوراً سنبھل کر اٹھ بیٹھے اور بولے۔

مقدس! مقدس یہ تو وہی فرشتہ ہے جو موسیٰؑ کے پاس بھی آیا تھا یقیناً محمد ﷺ بھی نبوت کے مقام پر سرفراز ہو گئے ہیں جاؤ انہیں کہہ دو کہ اب ثابت قدم رہیں۔

ورقہ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ ہستی جس کے لئے کائنات کی ہر چیز چشم براہ تھی جس نے دنیا کا رخ موڑ دینا تھا نہ جانے کتنے یتیم اس کی آمد کے انتظار میں ظلم سہتے سہتے رخصت ہو چکے تھے نہ جانے کتنے انسانوں کا خون بہہ چکا تھا۔ کتنے مظلوم ظالمانہ نظام کے خونی شکنجے میں سسک سسک کر مسیحا کی دعائیں کرتے کرتے مر گئے تھے۔ خود ورقہ جیسے کتنے لوگ صدیوں سے اس ہستی کی نشانیاں الہامی کتابوں سے پڑھ کر سناتے اور جنگلوں، ویرانوں کی خاک چھانتے اسے تلاش کرتے ہوئے گذر گئے تھے اور اب وہ اتنے قریب سے نمودار ہو رہا تھا کہ اس کو اپنی قسمت پر رشک آنے لگا تھا۔

ورقہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے درخواست کی کہ مجھ بوڑھے کو اس ہستی کی قدم بوسی کیلئے ساتھ لے چلو میں بھی اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کروں اس کی پیشانی چوم کر اپنے ہونٹوں کو سیراب کروں اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رہنمائی میں وہ محمد ﷺ تک پہنچے اور بولے۔

''کاش میں آج جوان ہوتا اور اس دن کو دیکھنے کے لئے زندہ رہتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو نکال دے گی اور میں اس روز آپ ﷺ کی مدد کرتا''

اس کی آواز اور الفاظ میں حسرت، خواہش اور پیشن گوئی کے سارے رنگ تھے۔

انہیں سن کر خود نبی مہربان ﷺ حیرت سے بولے۔

''کیا میری قوم مجھے باہر نکال دے گی؟''

ورقہ نے افسردگی سے جواب دیا

ہاں وہ آپ ﷺ کو باہر نکال دیں گے کیونکہ آج تک کوئی ایسا نہیں جو اس سچائی کے ساتھ آیا ہو جو آپ ﷺ کے پاس ہے اور اسے اس کے

وطن سے بے دخل نہ کیا گیا ہو۔(14)

وقت رخصت آن پہنچا

وہ انتہائی شدید تاریک رات تھی

شہر سے باہر ایک اجاڑ، بنجر زمین پر چند خیمے لگے ہوئے تھے۔

کچھ پریشان حال روتے سسکتے بچے

کمزور اور غذائی قلت کا شکار بڑے

اور چند عورتیں وہاں موجود تھیں

متعدی امراض اس پریشان حال خیمہ بستی میں پھیل رہے تھے اور آئے دن کسی نہ کسی کی جان لے لیتے تھے۔

یہ لوگ چمڑے کے ٹکڑے، درختوں کے پتے اور چھال ابال کر کھانے پر مجبور تھے

اس عارضی خیمہ بستی کی طرف آنے والے سارے ہی راستوں کو بند کر کے ان مظلوم لوگوں کو محصور کر دیا گیا تھا اور راتوں کو ان خیموں سے اٹھتی بچوں اور بوڑھوں کی آہ وبکا قریبی آبادی میں رہنے والے سنگ دل انسانوں کے دل نرم کرنے کے بجائے ان کی تفریح طبع کا سبب بنتی تھیں۔

اس چھوٹی سی آبادبستی میں محصور کر دیے جانے والے ان لوگوں نے ابھی تین دن پہلے اپنے ایک بزرگ کا جنازہ اٹھایا تھا اور آج ان کے معزز ترین شخص کی محبوب بیوی کی درد سے کراہتی آوازیں ان سب کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو لے آئی تھیں۔ یہ عظیم بیوی کوئی اور نہیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور ان کے شوہر مالک کائنات کے محبوب ترین انسان حضرت محمد ﷺ تھے اور مظلوموں کی یہ عارضی بستی شعب ابی طالب میں قائم تھی۔

گھاٹی میں اس رات دور آسمان پر ٹمٹماتے اداس تاروں نے یہ منظر دیکھا کہ رحمت اللعالمین ﷺ بے قراری سے اٹھ کر خیمے سے باہر تشریف لے آئے ہیں ان سے، اپنی پیاری بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تکلیف دیکھی نہیں جا رہی ابھی کچھ ہی دیر قبل تو وہ اپنے غم گسار چچا کو کسمپرسی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہوتا دیکھ چکے ہیں اور اب دن رات کا ساتھی چھوڑ کر جانے کو تیار ہے۔

آپ بے چینی سے پھر واپس خیمے کی طرف پلٹتے ہیں اور پردہ اٹھا کر اپنی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر محبت بھری نظر ڈالتے ہیں

وہ تکلیف سے کراہ رہی ہیں!

دل ہلا دینے والا منظر ہے

بھوک، بے گھری، بے بسی، بیماری کی شدت! ساری مصیبتیں ایک ساتھ ٹوٹ پڑی ہیں

کہاں مکہ کی امیر ترین خاتون اور کہاں یہ فاقہ زدہ خیمہ زن گروہ بنی ہاشم ایسے میں اپنے پیارے شوہر سے دور جانے کا غم، وہ آنکھیں کھولتی ہیں اور نبی مہربان ﷺ کو اپنی جانب پیار بھری نظروں سے دیکھتا ہوا پاتی ہیں، نبی مہربان ﷺ فرط محبت سے قریب آتے ہیں۔

''خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم نے یہ سب میری وجہ سے برداشت کیا ہے تم جس زندگی کی اہل تھیں تم اس سے محروم رہیں''(15)

آپ ﷺ کی احسان مندی میں ڈوبی ہوئی آواز کانوں میں پڑتی ہے اس انتہائی تکلیف دہ لمحہ میں بھی آپ ﷺ اپنی شریک حیات کو اللہ سے امید دلاتے ہیں، فرماتے ہیں

''مگر یہ نہ بھولو کہ ہر دکھ اور تکلیف کے بدلے میں اللہ نے نیک صلہ دینے کا وعدہ کیا ہے''

میرے نبی ﷺ کی محبوب بیوی اور سب مومنین کی ماں، اماں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے بعد ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لیتی ہیں، فضا سوگوار ہو جاتی ہے لیلۃ القدر میں دنیا میں آنے والی یہ ہستی لیلۃ القدر ہی کی بابرکت گھڑیوں میں 65 برس کی عمر میں 25 برس میرے نبی مہربان ﷺ کی زندگی میں خوشیاں بکھیر کر دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں، میرے نبی ﷺ غمزدہ دل اور بوجھل قدموں کے ساتھ اپنی دنیا و آخرت کی رفیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہاجون کے قبرستان لے جاتے ہیں۔ انہیں مٹی کے سپرد کرتے ہیں اپنے ہاتھوں سے زمین ہموار کرتے ہیں اور دعا کے ساتھ انہیں رخصت کرتے ہیں۔(16)

آج کائنات مغموم اور افسردہ ہے اس لئے کہ میرے نبی مہربان

ﷺ کا دل مغموم اور دکھی ہے۔

امت کی بیٹیوں کے نام امی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پیغام

☆ دینی زندگی کی جدوجہد، مشکلات اور روزمرہ مسائل کا مسکراتے چہرے، خوشگوار مزاج کے ساتھ مقابلہ کرنا

☆ مقصد زندگی کے لئے سب کچھ نچھاور کر دینا (حضرت خدیجہ نے گھر، مال، تجارت، صحت، زندگی اپنے شوہر کے مشن سے کچھ بچا کر نہیں رکھا)

☆ شوہر کے لئے مخلصانہ فکرمندی، چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال، خوشگوار استقبال اور پریشانی اور دکھ میں اپنی باتوں اور کاموں سے اس پر بوجھ بڑھانے کے بجائے اس مضبوطی کے ساتھ حوصلہ دینا اور امید دلانا اور شوہر کے مشن کو اپنا مشن اور شوہر کی جذباتی و نفسیاتی ضرورتوں کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سمجھنا (حضرت خدیجہؓ نے عمر کے بڑے فرق کے باوجود اتنی خوبصورتی سے ازدواجی زندگی گزاری کہ ایک تلخی بھی پیدا نہیں ہوئی)

☆ مشکل اور مسلسل خراب حالات میں بھی اولاد کی تربیت پر نظر رکھنا (مشکل دور میں بھی حضرت فاطمہؓ جیسی بیٹی کی تربیت جس نے دنیا کو امام حسنؓ حسینؓ جیسے بیٹے تیار کر کے دیئے)

☆ صبرِ مسلسل سے صدمے سہنا اور انہیں خوش دلی سے اللہ کی رضا سمجھنا (حضرت خدیجہؓ نے دو عزیز بیٹوں کی وفات اور دو بیٹیوں کو طلاق جیسے بڑے دکھ سہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی پریشان نہ ہونے دیا)

☆ بدترین گندے معاشرے میں وقار، شائستگی، کردار کی مضبوطی کے ساتھ اس طرح رہنا کہ کوئی ایک بات بھی منسوب نہ ہونے پائے (حضرت خدیجہ نے سنگدل مردوں کے گندے جاہلی معاشرے میں رہ کر بھی خود کو اس طرح سنبھالا کہ بیوہ ہونے کے باوجود کسی میں آنکھ اٹھانے کی جرات نہ تھی)

☆ ذہانت کے ساتھ نرم زبان اور کشادہ ہاتھ سے دعوت دین کا کام کرتا۔

☆ عورت انتہائی غیر محفوظ معاشرے میں بھی کامیاب بزنس وومین کے طور پر اپنی ٹیم بنا کر ان سے کام لے سکتی ہے اور ٹھیک فیصلے کر سکتی ہے۔

(بیوہ ہونے کے باوجود حضرت خدیجہؓ مظلوم بنیں نہ کمزور انہوں نے اپنی غیر معمولی مردم شناسی کی صلاحیت سے ٹھیک لوگوں کا انتخاب کیا)

☆ معاملات خواہ کسی بھی طرح کے ہوں بہت سلیقے سے اور معروف طریقوں اور راستوں کو اختیار کر کے کئے جائیں اور اپنے گرد ایسے دوست جمع کئے جائیں جو مخلص بھی ہوں اور ضروت پڑنے پر جائز اور درست عملی مدد کے لئے تیار ہوں (حضرت خدیجہؓ کی شادی میں ان کی سہیلی اور بزرگوں کا کردار اس پر گواہ ہے)

حوالہ جات

11 ابن ماجہ متن 1/4

12 بخاری متن 1/4(3)

13 بخاری 4/1894

14 بخاری متن ¼(3)

15 رشید حائیلماز

16 ابن سعد متن 8/18

اس کتاب کی تیاری میں رشید حائیلماز کی کتاب پہلی مسلمان شخصیت اور حضرت محمد ﷺ کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مدد لی گئی۔

☆.....☆.....☆

کلامِ مینا

روشن چراغ ہیں نہ ستاروں میں نور ہے
یعنی شریکِ غم شبِ ہجراں ہے ان دنوں

پژمردگیٔ عہد خزاں چھا کے رہ گئی
یادِ بہار بھی تو گریزاں ہے ان دنوں

اب فرقِ آشیاں و قفس کچھ نہیں ندیم
سارا چمن ہی صورت زنداں ہے ان دنوں

اہلِ وفا کو جرمِ وفا کی سزا ملی
ہائے وہ آرزو کہ پشیماں ہے ان دنوں

اے عندلیبِ زار تری آرزو کی خیر
صیاد، باغبان و نگہباں ہے ان دنوں

پوشیدہ کب ہے اہلِ وطن سے وطن کا حال
ہر لمحۂ حیات پریشاں ہے ان دنوں

ہر سمت بوالہوس ہیں کوئی اہلِ دل نہیں
وہ حُسن بے حجاب غزل خواں ہے ان دنوں

خونِ وفا کا ذکر نہ کیجئے ابھی حضور
یہ داغ ہی تو زینت داماں ہے ان دنوں

بنتِ مجتبیٰ مینا

غزل

مل بیٹھنے کی ریت پرانی کہاں رہی
وہ دھوپ چھاؤں شام کہانی کہاں رہی

''بارود'' روز لکھتا ہے رودادِ خونچکاں
دنیا میں نوک جھونک زبانی کہاں رہی

انسان کو انساں کی محبت میں گوندھ کے
اجداد نے جو دی تھی نشانی کہاں رہی

اشراف کی عمومی جو پہچان تھی کبھی
وہ بُرد باری شیریں بیانی کہاں رہی

دہشت نے داستان کو بے رنگ کر دیا
قصے میں دیو رہ گئے رانی کہاں رہی

رنج و محل کی دھوپ نے جھلسا دیئے ہیں رنگ
ساون میں اب وہ چنری وہ دھانی کہاں رہی

انگلی بٹن کے راج میں ہے آدمی گم سم
ہونٹوں پہ کھلکھلاتی کہانی کہاں رہی

نجمہ یاسمین یوسف

صائمہ اسماء

انؐ کی یاد میں

مرے مالک!
زمین پر تو نے جتنے مرسلیں، جتنے نبی بھیجے
وہ سارے مرد تھے، لیکن
دُکھی مخلوق پر تیری
وہ یکساں ابرِ رحمت بن کے برسے تھے
کوئی عورت نہیں ملتی زمانوں کے کٹہروں میں
جو کہتی.....
اے خدا! تیرا نبی کوئی۔
ہماری صنف سے ہوتا تو اچھا تھا.....
انہیں مردانگی عورت کے پنہاں درد کے
ادراک سے کب روکتی تھی۔
اور پھر وہؐ بھی تو آئے تھے۔
جنہیں یہ طعنہ ملتا تھا۔
محمدؐ جب سے آئے ہر طرف عورت ہی عورت
ہے۔
مرے مالک!
اب انؐ کے بعد تو کوئی نبی آنا نہیں ہے۔
اور مرے خطے میں جتنے مرد ہیں۔
اپنے غرورِ جنس کی بھاری چٹانوں میں دبے
ہیں۔
اَن گنت صدیوں کی ژولیدہ رواجی گرد۔
سینوں پر سلیں بن کر پڑی ان کے جماؤ میں
اضافہ کر رہی ہے۔
کون آئے گا۔
چٹانوں میں دبے آثار کے کانوں میں انؐ کا
آخری خطبہ انڈیلے گا۔
بتائے گا۔
کہ سب انساں برابر ہیں۔
جہالت کی سبھی عصبیتیں پائے مبارک کے
تلے ہیں۔
اور نصیحت ہے،
کہ عورت سے نباہی کے قرینوں میں۔
خدا سے ڈرتے رہنا ہے!

☆.....☆.....☆

احمدِ مجتبیٰ

دشتِ ظلمات میں
نور کا راستہ
احمدِ مجتبیٰ احمدِ مجتبیٰ
رب کی رحمت کی
مخلوق پر انتہا
احمدِ مجتبیٰ احمدِ مجتبیٰ

(۱)

اے اُحد! اپنی تاریخ
دُھرا ذرا
تیرے دامن میں گونجی تھی
اک دن صدا
گر شہادت کی رہ پر
گئے مصطفیٰؐ
تو مسلمانو! دنیا میں
کیا رہ گیا!
اُٹھو سر بکفن
صاحبانِ وفا
وہ اُحد سے چلی
جنتوں کی ہوا
اُنؐ کے بن زندگی
ایک دشتِ بلا
احمدِ مجتبیٰ احمدِ مجتبیٰ

(۲)

اُن سے کہہ دو جو دنیا کے
شیطان ہیں
جتنے فرعون ہیں جتنے
ہامان ہیں
وہؐ جو اللہ کے کلمے کی
پہچان ہیں
وہؐ جو خالق کی چاہت کا
اعلان ہیں
اعلیٰ وادنیٰ جتنے
مسلمان ہیں
اُنکے ناخن کی حُرمت پہ
قُربان ہیں
زیست کی ابتداء
زیست کی انتہا
احمدِ مجتبیٰ احمدِ مجتبیٰ

فراتؔ غضنفر

ڈاکٹر شگفتہ نقوی

دو آرزو میں کٹ گئے.....

عاشی کو جب سے اطلاع ملی تھی کہ خرم آج آ رہا ہے وہ ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ پورے سات سال کی جدائی.....نہ جانے کیسے گزرے لیکن ملن کی گھڑی آخر آ ہی گئی۔

پہلے دو سال اتنے اذیت ناک نہ تھے کہ خط فون اور سکائپ کا سہارا تھا پھر ویزا ختم ہو گیا لیکن خرم واپس نہ آ سکا۔ فرانس، جرمنی، بلجیم، ہالینڈ، آئرلینڈ نہ جانے کہاں کہاں چھپتا پھرا یعنی انڈر گراؤنڈ ہو گیا کوئی رابطہ نہ تھا۔ کبھی وہ سسرال میں ہوتی دو دن میکے میں خزاں رسیدہ پتے کی طرح شادی کے بعد اچھا بھلا تھا۔ نہ جانے اس نے کیا سوجھی کہنے لگا کہ مجھے سکالرشپ مل گیا ہے میں ضرور باہر جاؤں گا۔ اس کی محبت، آنسو، منت ترلا کچھ بھی اس کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکا ڈور کٹی پتنگ کی طرح وہ ڈولتی رہتی۔ تین ماہ کا عرصہ ہی کتنا ہوتا ہے ابھی تو وہ ایک دوسرے کو سمجھ بھی نہ پائے تھے۔ دل کے ارمان دل ہی رہ گئے اور جہاز اسے لے کر کسی دور دیس اڑ گیا۔

اسے بھی ارمان تھا کوئی اس کے ناز اٹھاتا۔ شاپنگ کراتا، اس کی تنہائی دور کرتا، اپنا ماضی شیئر کرتا اور مستقبل کے سہانے خواب دکھاتا۔ کئی دنوں تک وہ چپکے چپکے آنسو بہاتی رہی۔ اس کی ساس نے ایک دن کہہ دیا۔ میرا بیٹا اپنی خوشی سے تعلیم حاصل کرنے گیا ہے تو کیوں نحوست پھیلاتی ہے۔ جا میکے چلی جا۔ اگر تمہیں یہاں دیواریں کاٹنے کو آتی ہیں میں اپنا کام خود کر سکتی ہوں۔ میری بیٹی کو ہاٹ سے ٹرانسفر ہو کر لاہور آ رہی ہے وہ میرے پاس رہے گی۔''

اس نے چپ چاپ اپنی چیزیں سنبھالیں۔ ضروری سامان الماری میں رکھا اور کتابیں، کپڑے پیک کئے، امی کو فون کیا کہ بھائی کو بھیجیں میں نے شام کو آپ کی طرف آنا ہے۔ اس نے خرم کو بتایا کہ آپ کی امی نے مجھے میکے بھجوا دیا ہے وہ چپ رہا۔

''اچھا ہے تم یہاں زیادہ آرام سے رہو گی۔''

''لیکن خرم.....آپ اجازت دیں تو میں جاب کر لوں۔ میں اپنے والدین پہ بوجھ نہیں بننا چاہتی۔''

''ایسا مت سوچو ڈیئر.....میں تمہیں پیسے بھجواتا رہوں گا۔ کل فون کروں گا۔ اپنا بنک اکاؤنٹ نمبر دے دینا۔ لیکن کسی سے ذکر نہ کرنا۔ کیونکہ میں صرف پارٹ ٹائم جاب کرتا ہوں۔ ویک اینڈ پر.....اس لئے گھر نہیں بھجوا سکتا۔''

''بہت بہت شکریہ۔''

اس نے کتابیں منگوائیں اور ایم اے کی تیاری شروع کر دی رفتہ رفتہ دل تو بہل گیا اور ایک قریبی سکول میں جاب بھی مل گئی۔ اس کی ساتھی ٹیچرز اسے ڈراتیں کہ آپ کے میاں نے شادی کر لی ہو گی باہر جا کر لڑکے بدل جاتے ہیں۔ کوئی مشورہ دیتی کہ پاسپورٹ بنا کر تم بھی چلی جاؤ، کیوں اپنی زندگی برباد کر رہی ہو وہ تنگ آ کر جواب دیتی۔ بس پلیز نو مور.....میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔

نورین نے برا منایا اور بولی ہم تو تم سے ہمدردی کر رہے تھے تمہیں نہیں پسند تو ہمیں کیا ساری عمر مجنوں بن کر بیٹھی رہو۔ آج کل بھلائی کا زمانہ نہیں ہے اور اٹھ کر چلی گئی وہ گھر آ کر سوچتی۔ ہم دوسروں کے معاملے میں اتنا دخل کیوں دیتے ہیں۔ نام ہمدردی کا ہوتا ہے اور جگر چیر کر رکھ دیتے ہیں کیا کروں، نوکری چھوڑ دوں۔ گھر والے بھی سب اپنی مصروفیات کے دائروں میں گھومتے رہے۔ شاید جب کسی کے پاس مسئلے کا کوئی حل نہیں ہوتا۔ وہ خاموش رہتا ہے۔ سال بھر سے کوئی فون، خط، ای میل اور پیغام نہیں آیا تھا۔ وہ سوچتی نہ جانے خرم کہاں ہو گا۔ کس حال میں ہو گا۔ بس آخری بار اس نے اتنا بتایا تھا کہ اس کا ویزا ختم ہو گیا ہے اب وہ انڈر گراؤنڈ ہو جائے گا یا کسی دوسرے ملک کی راہ لے گا۔ تو وہ سوچتی.....

اپنا ملک ہوتے ہوئے باہر ہی جا کر علم حاصل کرنا تھا۔ باہر ہی جا کر محنت کرنا اور کمانا کیا بہت ضروری ہے۔ کروڑوں لوگ اور بھی تو رہ رہے ہیں۔ دونوں مل کر نوکری کرتے تو گھر چلا ہی لیتے۔ اس ملک میں کیا نہیں ہے موسم، پھل، پھول، دریا، صحرا، سمندر، پہاڑ، چشمے، اپنائیت، آزادی.....ابھی وہ یہاں تک ہی پہنچی تھی کہ دوسری سوچ نے سر اٹھایا۔

ہاں! حکومت کیسی ہے۔ لوگ بے ایمان ہیں۔ چند سالوں بعد مارشل لا لگ جاتا ہے۔ غریبوں کیلئے زندگی عذاب.....ان کے دکھ درد کا ساجھی کون.....؟ بجلی، پانی، دوائی اور تعلیم..... کیلئے بس سسک سسک کر جان دے دیتے ہیں۔ پھر خود کو تسلی دیتے ہوئے بولی۔

ہاں.....لیکن یہ غلط تقسیم ہے نا.....ہم اس کو بدل سکتے ہیں۔ کتنے ملکوں نے محنت اور ایمانداری سے اپنے لوگوں کی تقدیر بدل دی ہم کیوں قسمت بدلنے کیلئے نصیب آزمانے کیلئے باہر اور وہ بھی یورپی ملکوں کا رخ کرتے ہیں۔ ان کے قانون توڑتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں پتہ نہیں خرم تم نے کتنے جھوٹ بولے ہوں گے۔ اسے آسیہ کی بات یاد آئی کہ اگر ویزا یا شہریت نہ ملے تو لوگ کاغذی شادی کر لیتے ہیں یعنی (paper marrage) کیا خرم نے شادی کر لی ہوگی.....ٹیچر ارشاد کہہ رہی تھی کہ اگر سات سال تک شوہر لاپتہ رہے تو خود بخود طلاق ہو جاتی ہے.....میں کیا کروں.....یا اللہ کوئی راستہ دکھا دے۔

پھر اس کی دعائیں مستجاب ہوگئیں اور اس کی اطلاع آ گئی کہ وہ واپس آ رہا ہے۔ یہ خبر بلکہ خوشخبری بالکل ایسے ہی تھی جیسے سیاہ رات، گھٹا ٹوپ اندھیرا اور یکبارگی چاند نکل آئے.....اسے تو یقین ہی نہ آیا..... اب اس نے سوچا اتنے سالوں میں نہ جانے اسے کیا کمایا اور کیا پایا ہوگا لیکن یہاں.....؟ تو کھویا ہی کھویا ہے۔ اس کی نند دو سال پہلے فن لینڈ چلی گئی اور ساس امی بہت بیمار ہوگئیں وہ واپس گئی اور ان کی دیکھ بھال اور خدمت میں مصروف ہوگئی۔ اس نے کہا بھی.....کہ وہ فرزانہ اپنی بیٹی کو واپس بلا لیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ ایک رات ان کی حالت بگڑ گئی۔ دمے کا ایسا دورہ پڑا کہ ہسپتال جاتے جاتے راستے میں ایمبولینس میں دم توڑ دیا۔

اور کوئی نزدیکی رشتے دار تو تھا نہیں۔ بس عاشی اس کے گھر والے، رشتے دار اور ایک دو خرم کے دوست جنہیں وہ جانتی تھی۔ وہ آ گئے۔ فرزانہ جو ہسپتال میں تھی اس کا آپریشن ہوا تھا۔ دو بچے تھے دونوں زندہ تھے لیکن نہ جانے کہاں تھے۔ بوڑھی ماں کے جنازے کو کندھا دینے کیلئے کوئی بھی نہ تھا۔ یوں بھی ہوتا ہے۔ پرندے اڑ جاتے ہیں اور پھر آشیانے کی طرف لوٹ کر نہیں آتے۔ کیونکہ نئے ٹھکانے یا پنجرے ان کے قدم پکڑ لیتے ہیں۔

محلے والوں نے افسوس کرتے ہوئے عاشی اور اس کے والدین کی تعریف کی کہ انہوں نے رشتے داری خوب نبھائی۔

اب عاشی نے کہا کہ وہ اپنے گھر میں رہے گی۔ یہاں سے سکول قریب تھا اور سکول کی ایک مائی زاہدہ جس کی دو بیٹیاں تھیں۔ صدف اور نور اس نے خاوند سے خلع لے لی تھی کہ وہ مارتا تھا۔ وہ اپنی بہن کے ساتھ رہ رہی تھی۔ وہ فوج میں سپاہی تھا۔ اس کو سرکاری کوارٹر ملا ہوا تھا۔ نلکا، بجلی، پانی، باتھ روم، پکا فرش، بجلی کا پنکھا اور استری گیس کے فٹ کئے ہوئے چولھے.....آرمی والوں کو بڑی سہولتیں ملتی ہیں۔ حتیٰ کہ کم ریٹ پر گھر کا سودا اور بچوں کی تعلیم مفت، بعد میں پنشن آخر وہ وطن کیلئے ضرورت پڑنے پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

بہن نے زاہدہ کو گلے لگایا اور بڑے صاحب کی بیگم سے کہہ کر مقامی سکول میں آیا کی جاب دلوا دی۔ ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ دونوں کے بچے آپس میں لڑنے لگے۔ صدف نے کپڑے نکالے کہ نہا لے اتوار کا روز تھا۔ اس کی خالہ زاد بہن شہزادی نے کہا کہ پہلے میں نہاؤں گی۔ ہمارا گھر ہے کوئی تمہارے باپ کا ہے۔ صدف اس سے بڑی تھی وہ آٹھویں میں تھی اور شہزادی چھٹی کلاس میں تھی وہ رونے لگی اس نے ماں کو بتایا۔ اس نے بہن سے شکایت کی۔ بہنوئی کو پتہ چلا تو اس نے کہا۔ اپنی بہن سے کہو کہیں اور ٹھکانہ کرے میرا کوارٹر چھوٹا سا ہے۔ بس کل تک یہ یہاں سے چلی جائے۔

بہن چپ ہوگئی۔

زاہدہ نے کہا۔ دو چار دن کی مہلت دے دو۔ بھائی تجھے خدا کا واسطہ میں کہیں ٹھکانہ ڈھونڈ لوں۔ آپ کی اپنی بہن ہوتی تو آپ اس کے ساتھ یہ سلوک کرتے اس کے آنسو بہنوئی کا دل نرم نہ کر سکے۔

زاہدہ نے آ کر ہیڈ مسٹریس سے فریاد کی کہ میڈم جی..... میں بہت پریشان ہوں میری مدد کریں۔ وہ کرنل کی بیگم تھیں۔ انہوں نے کہا میرا سرونٹ گلگت گیا ہوا ہے کوارٹر خالی ہے آ جاؤ لیکن ایک ماہ بعد خالی کرنا ہوگا۔ اس دوران عاشی کی ساس کا انتقال ہو گیا۔ اس کو زاہدہ کے سارے حالات کا علم تھا۔ وہ زاہدہ اور دونوں لڑکیوں صدف اور نور کو اپنے گھر لے آئی۔ اب وہ تنہا بھی نہیں تھی اور ایک بے سہارا خاندان کی مدد کرنے کا شرف بھی حاصل ہو گیا تھا۔ اس کے دل سے صدا آئی کہ اس نیکی کے صلے میں پروردگار عالم نے خرم کو واپس بھجوا دیا ہے۔ اس نے سکول سے چھٹی لے لی تھی اور سارے گھر کی صفائی میں لگی ہوئی تھی اس کا بس چلتا تو وہ سارے گھر میں چراغاں کرتی۔ سارے محلے میں لڈو تقسیم کرتی۔ اور دلہن والا لباس زیب تن کرتی۔ لیکن..... خرم کی امی..... وہ بیٹا جو ماں کا آخری دیدار بھی نہ کر سکا وہ اسے یہ خبر کیسے سنائے گی..... کیسے.....

سوچ کے ورق الٹتے رہے اور اس نے بیڈ شیٹ اور تکیے کے غلاف بدلے الماریاں صاف کیں۔ گلدان میں صدف نے تازہ گلاب کے پھول لگائے۔ خرم کے دو جوڑے ایک دن کیلئے اور ایک رات کیلئے استری کر کے ہینگر پر باتھ روم میں لٹکا دیئے۔ ڈرائنگ روم میں ڈسٹنگ کروائی۔ اس کی پسند کے پھول سجائے۔ خانہ کعبہ کی تصویر لگائی۔ اپنے جہیز کا ڈنر سیٹ نکالا۔ برتن لگائے۔ دل میں شوق کا طوفان ہے۔ آنکھوں میں ارمانوں کے دیئے جل رہے ہیں۔ گزرے ہوئے سالوں کے خواب دل و دماغ میں جم گئے ہیں۔ اب یہ خوشی کی گھڑی ہے لیکن ایک سوئی اندیشوں کی طرف جا رہی ہے دوسری حسرتوں کا ماتم کرنا چاہتی ہے۔ عاشی کیا کرے؟۔

وہ یہ دروازے بند کر دینا چاہتی ہے وہ صرف اور صرف خوشی، اطمینان، ملاپ اور محبت کے انتظار میں ہے۔ وہ ویران، اداس، تنہا، بے خواب اور پریشان دنوں کو بھول جانا چاہتی ہے۔ لیکن رہ رہ کر اس کا نفس اسے ایک چابک لگاتا ہے کہ تم روٹھ جانا، بات نہ کرنا، بھلا کوئی ایسے بھی کرتا ہے۔ کتنے سال تک نہ اتہ نہ پتہ..... کیوں مجھے چھوڑ گئے تھے۔ اگر میں انتظار نہ کرتی۔ پھر دوسرا خیال آتا۔

کہ یہ بھی سوچو کہ وہ غلطی کر بیٹھا۔ پردیس میں اس کے پاس کون تھا نہ جانے کس کس مشکل سے گزرا ہوگا تم اسے معاف کر دو.....؟

چند منٹ اس کا دل اس نیکی پر مطمئن ہو جاتا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ تم معاف کرو تا کہ تمہیں معاف کیا جائے۔ پھر کام کرتے کرتے اچانک انا کے پودے پر ایک غصے کا کڑوا کانٹا اگ آتا اس نے تمہاری جوانی کے قیمتی سال ضائع کر دیئے۔ تم نے لوگوں کی کتنی باتیں سنیں۔ خاندان میں کتنی بے توقیر ہوئی۔ بہن بھائی بھی بوجھ سمجھنے لگے تھے۔ وہ تو اللہ کی مدد تھی کہ ساس امی بیمار ہو گئیں تو تمہیں اپنے گھر آنا پڑا کیا یہ ظلم نہیں ہے.....؟

دو چار دفعہ یورو بھیج کر اس نے یہ سمجھ لیا کہ بیوی کا حق ادا ہو گیا پھر اس کا منہ کڑوا ہو جاتا۔ سارا جسم گرم ہونے لگتا جیسے بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے۔ سر میں درد ہونے لگا۔ اس نے صدف کو آواز دی کہ ''میرے لئے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔'' وہ چائے لے کر آئی تو بولی۔ ''جی آپ کے سر میں تیل ڈال کر مالش کر دوں آپ صبح سے کام کر رہی ہیں۔ تھک گئی ہوں گی۔ امی بھی سکول سے آنے والی ہیں۔ آپ نہا کر کپڑے بدلیں، تیار ہو جائیں۔ میری امی کھانا بہت اچھا پکاتی ہیں۔ یہ تو بتائیں کیا کیا پکانا ہے.....؟'' وہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

وہ اس کی معصومیت سے دیئے گئے مشوروں پر ہولے سے مسکرا دی ٹینشن کا گراف گر گیا۔ وہ کچھ ریلیکس ہو گئی۔ ''ہاں ٹھیک ہے خرم کو پالک گوشت پسند ہے وہ بنا لیں ساتھ چکن پلاؤ بنا لیں۔'' ''لیکن باجی پالک گوشت کے ساتھ تو روٹی ہونی چاہیے۔ امی پلاؤ کے ساتھ شوربے والا سالن بناتی تھیں جب ہم اپنے گھر میں تھے۔'' اس نے حیران ہو کر اس تیرہ سالہ لڑکی کی طرف دیکھا۔

''تم بہت ذہین ہو صدف..... پڑھائی میں بھی بہت محنت سے دل لگا کر پڑھنا۔''

''پھر ایسے کرتے ہیں۔ پلاؤ کے ساتھ قیمہ مٹر بنا لیں۔ وہ بھی اسے اچھا لگتا ہے اور سیخ کباب وہ بڑے شوق سے کھاتے تھے۔''

''باجی قیمے کے کباب بنا لیتے ہیں اور آلو مٹر پکا لیں گے۔ اس میں بھی شوربہ ہوتا ہے۔''

اس نے چائے پی کر پیالی واپس ٹرے میں رکھی اور اسے کہا کہ جاؤ تیل لے آؤ۔ میرے سر کی مالش کر دو۔

اس کے جاتے ہی پھر اندر کی کھڑکی کھل گئی اس کے ضمیر نے یاد دلایا کہ فتح مکہ کے موقع پر کس طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کی بیوی ہندہ جگر خور (جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا) کو بھی معاف کر دیا تھا۔ تم ان کی امتی ہو۔ اب تو وہ وقت گزر ہی گیا۔ جیسا بھی تھا۔ اچھا یا بُرا..... تمہاری دونوں کی آزمائش تھی۔ اب اچھا وقت آنے والا ہے تو اسے خود اپنے عمل سے کیوں بُرا بنانے کا سوچ رہی ہو۔ ماضی میں بے شک تمہارا قصور نہیں تھا۔ لیکن تم نے صبر کیا۔ اب اس صبر کا صلہ پانے کا وقت آیا ہے تو تم خود اپنی خوشیوں کو آگ لگانا چاہتی ہو۔ کیا یہ دانشمندی ہے؟ تمہارے پڑھے لکھے ہونے کا کیا فائدہ جب تم اپنے نفس کو نکیل نہیں ڈال سکتی اسے بُرے عمل سے باز نہیں رکھ سکتی۔ یہ کیوں نہیں سوچتی کہ نہ جانے اس پر کیا گزری ہوگی یہی دکھ کیا کم ہے کہ اس کی ماں گزر گئی۔ یہ صدمہ..... کیسا زبردست امتحان ہوگا۔ اس کیلئے یہی دکھ کافی ہے۔ تم اسے اور زبان کے زخم تو نہ لگاؤ۔ وہ اپنے دل و دماغ میں ہونے والی کشمکش سے تھکنے لگی تھی۔ زاہدہ سکول سے آ گئی۔

اس نے پہلے کھانا کھایا پھر نماز پڑھی اور کچن میں آ گئی۔ عاشی نے صدف سے پوچھا کہ اسے ویکیوم چلانا آتا ہے۔ وہ بولی۔ ''نہیں میں نے تو کبھی دیکھا بھی نہیں۔ کیسا ہوتا ہے۔ ویسے آپ بتائیں گی تو میں ضرور سیکھ لوں گی۔ اس وقت میں برش سے سارے قالین صاف کر لوں گی۔''

''اچھا ٹھیک ہے پہلے کمرے کر لو۔ پھر برآمدہ اور بعد میں صحن اور لان کرنا۔''

''کیا تم نے کھانا کھا لیا ہے۔''

''نہیں باجی جی..... ابھی تو آپ نے بھی نہیں کھایا۔''

''میں نے چائے پی لی ہے۔ اس لئے ٹھہر کر کھاؤں گی۔ تم کھا لو۔''

''مجھے ابھی بھوک نہیں ہے لائیں میں یہ کریم لے کر آئی ہوں آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کی بھی مالش کر دوں۔ ساری تھکن دور ہو جائے گی۔''

''بہت شکریہ صدف..... تم کتنی اچھی ہو۔''

''صدف ایک بات تو بتاؤ۔ کیا تمہیں اپنے والد یاد آتے ہیں.....؟''

''کیوں نہیں۔ آخر ہمارا باپ ہے۔ آج ہمارے سر پر ہوتا تو ہم یوں مارے مارے نہ پھرتے۔''

''کیا تمہارے ماں باپ کی بہت لڑائیاں ہوتی تھیں کس بات پر لڑتے تھے۔''

''ہوتی تو تھیں۔ کبھی کوئی بات اور زیادہ خرچے پر لڑائی ہوتی تھی ابا پوسٹ آفس میں ملازم تھا۔ لگی بندھی تنخواہ تھی۔ بس امی خرچ مانگتی..... تو کبھی مل جاتا۔ کبھی امی کی پٹائی ہو جاتی۔''

تمہارے سامنے ہی ہاتھ اٹھاتا تھا۔''

''ہم دونوں بہنیں ڈر کر دروازے کے پیچھے یا بستر میں چھپ جاتی تھیں ڈر بہت لگتا تھا کہ ابا ہمیں بھی دو ہاتھ جڑ دے گا۔''

''لیکن تمہاری امی تو کہتی ہیں کہ وہ شراب پیتا تھا۔''

''نہ باجی ہمیں نہیں پتہ۔ اس کے پاس خرچ کیلئے پیسے نہیں ہوتے تھے تو..... وہ چپ ہو گئی۔''

''اب تمہارا ابا کس شہر میں ہے کبھی کوئی خط پیغام یا فون آیا۔ نہیں ہمیں نہیں پتہ..... کہاں ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہاری ماں نے الگ ہو کر اچھا کیا ہے''

''اماں تو یہی کہتی ہے کہ اب مار پٹائی تو نہیں ہوتی۔ مگر باجی کیا فائدہ اپنا گھر بھی تو نہیں ہے بس رُل رہے ہیں۔''

''نہیں تم فکر نہ کرو۔ میرے پاس تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی میں تمہیں پڑھاؤں گی۔''

''پر باجی میری اماں بھی بہت غصے والی ہے۔ ابے کے رشتے داروں کو برا بھلا کہتی تھی۔ بس یہ بات ابے سے برداشت نہ ہوتی تھی۔''

''کیوں کہتی تھی.....؟''

''وہ ذرا امیر تھے ہم غریب تھے۔ اماں کہتی تھی بہت برے لوگ ہیں۔ کہ ہماری مدد نہیں کرتے۔ ابا جواب دیتا تھا کہ میں کسی کے آگے کیوں ہاتھ پھیلاؤں۔ بس اسی میں گزارا کرو اور صبر شکر کرو۔''

''باجی کونسے کپڑے پہنیں گی۔ میں استری کر دوں۔''

عاشی نے سوچا۔ میں اللہ کی کس کس نعمت کا شکر ادا کروں میرے مولا کتنی اچھی زندگی ہے۔ اپنا گھر ہے، جاب ہے اور خرم بھی واپس آ رہا ہے۔ میں اس شکرانے کے طور پر اسے ضرور معاف کر دوں گی۔

''وہ فیروزی کڑھائی والا سوٹ نکال کر استری کر دو۔ دیکھو جلا نہ دینا میرا بڑا قیمتی سوٹ ہے۔''

''اچھا..... لیکن..... باجی.....'' وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔ ڈر گئی۔ اور عاشی کی طرف دیکھنے لگی۔

''بولو کیا کہنا چاہتی ہو۔ ڈرو نہیں.....''

''آپ ناراض تو نہیں ہوں گی.....'' وہ ابھی بھی متردد تھی۔

''وہ باجی آپ نے بتایا تھا کہ امی جی کا انتقال ہو گیا ہے تو خرم بھائی کیلئے تو یہ بہت غم کا موقع ہو گا۔ آپ اتنی بن سنور کر جائیں گی تو وہ کیا سمجھیں گے کہ آپ نے ان کے غم.....'' وہ چپ ہو گئی۔

عاشی اس کی بات پر غور کرنے لگی۔

ہاں مجھے سمجھ آ گئی ہے۔ حیرت ہے یہ بات میں نے کیوں نہیں سوچی..... یہ بچی مجھ سے زیادہ سمجھدار ہے.....؟ اس نے دل میں سوچا۔ میں نے تو معاف کرنے کا فیصلہ کر کے سوچا کہ بڑا تیر مارا ہے۔ مگر..... ابھی تو اور بھی مرحلے سر کرنے ہیں۔ اس نے سیاہ لباس زیب تن کرنے کا فیصلہ کیا۔ خرم کو اس دکھ میں مجھے ہی سنبھالنا ہو گا۔ ماں تو ماں ہوتی ہے۔ کاش اماں جی نے مجھے میکے نہ بھجوایا ہوتا تو یہ سات سال میں ان کی خدمت کرتی..... عاشی نے اپنے پیسے جمع کر کے قسطوں پر ایک گاڑی خرید لی تھی۔ وہ تو سارا زیور بیچ کر نقد قیمت دینا چاہتی تھی مگر اس کی امی نے منع کر دیا۔ جو سسرال کا زیور تھا وہ بھی سیف میں رکھا تھا اور اماں جی چابیاں اسے دی گئی تھیں۔ اس نے سوچا.....؟

سب نے آخر کار چلے ہی جانا ہوتا ہے اور جو کچھ یہاں ہمارے ہاتھ میں ہے جیب میں بنک میں یا گھر میں ہوتا ہے ادھر ہی رہ جاتا ہے کچھ بھی تو ساتھ نہیں جاتا۔ پھر ہم ساری زندگی اس سے کیوں چمٹے رہتے ہیں۔ کیوں جھگڑتے ہیں، لڑائیاں کرتے ہیں۔ دوسرے کا حق مار لیتے ہیں۔ بلکہ اس جائیداد کی خاطر قتل کر دیتے ہیں اور پھر خود بھی مر جاتے ہیں تو کیا زندگی کی سب سے بڑی حقیقت موت ہے۔ حقیقت سامنے ہوتی ہے تو شاید نہیں یقیناً ہماری آنکھوں سے پردے اٹھ جاتے ہیں انجام نظر آنے لگتا ہے تو ہم سارے اختلاف، دکھ، رنج، نفرت، انتقام بھول جاتے ہیں اور دفعتاً سچ بولنے لگتے ہیں۔ اسے اماں جی کے مرنے سے دو دن پہلے کی گفتگو یاد آئی۔

''عاشی..... ادھر آؤ۔ میرے پاس بیٹھو۔ تم نے میری بہت خدمت کی ہے۔ کاش میں نے پہلے سمجھا ہوتا کہ اصل میں تو ہی میری بیٹی ہے۔ فرزانہ تو پرائی ہو گئی تھی۔ میں نے تیرے ساتھ بہت زیادتی کی، میں خرم کو روک لیتی اجازت نہ دیتی تو وہ مان جاتا۔ یہاں ہوتا تو آج میرے جنازے کو کندھا دیتا۔''

''اماں جی آپ ایسے نہ کہیں۔ انشاء اللہ آپ صحت یاب ہو جائیں گی۔'' عاشی نے تسلی دی۔

''نہیں بیٹی..... اب چل چلاؤ کا وقت ہے۔ دنیا ہی میں اولاد چھوڑ گئی تو آخرت میں کون پوچھے گا وہاں تو سب کو اپنی پڑی ہو گی۔

یہ لو چابیاں..... اس میں سارے گھر کی کنجیاں ہیں۔ میرے بعد اس گھر کو چھوڑ کر نہ جانا۔ چالیس دن تک مسجد میں درود دے کر کھانا ضرور بھجوانا۔ اور ہر جمعرات کو سورۂ یٰسین پڑھ کر مجھے بخشا کرنا۔ میری دعا ہے کہ خرم جلد واپس آ جائے اور تمہاری تنہائی کا خاتمہ ہو۔ اللہ تمہیں نیک اولاد عطا فرمائے اور اس کی خوشیاں نصیب کرے۔

خرم جب آئے تو اس سے کہنا۔ بڑا گھاٹے کا سودا کیا تم نے..... خزانہ تو گھر میں تھا۔ باہر ٹھوکریں کھاتے رہے۔ یہ دولت کیلئے سرگردانی لاحاصل اور بالکل فضول ہے۔ جو نصیب میں لکھا ہے اتنا ہی ملے گا۔ اسے یہ بھی کہنا کہ دوبارہ کبھی باہر نہ جائے۔''

''اپنی نمازوں کی فکر کرے۔ ہمیشہ سچ بولے اور رزق حلال کھائے چاہے سوکھی روٹی ہی میسر ہو۔ بینک کی نوکری نہ کرے۔ اپنے بچوں کی تربیت میں وقت، توجہ اور محنت لگا دے۔ فرزانہ سے کہا۔ پھر

انہیں کھانسی آ گئی۔ عاشی نے اٹھ کر پانی پلایا۔ دوائی کھلائی اور ڈاکٹر کو فون کر کے ایمبولینس منگوالی تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ اور کہا کہ ادھر آؤ میرے پاس وقت کم رہ گیا ہے۔ تمہارے لئے بھی ایک وصیت ہے۔

''اپنے پردے کا ہمیشہ خیال رکھنا، خرم غصے کا تیز ہے لیکن دل کا بہت نرم اور سخی ہے۔ اگر وہ غصہ کرے تو جواب نہ دینا۔ اسے معاف کر دینا۔ اپنے رشتے داروں سے صلہ رحمی کرنا۔ زیادہ دوستیاں نہ رکھنا۔ ان کو نبھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر جھگڑے اور لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اپنے شوہر اور گھر کو ہمیشہ فوقیت دینا تاکہ کامیاب زندگی گزار سکو۔ میرا نصیب نہیں تھا کہ میں مرنے سے پہلے پوتے کا منہ دیکھتی میں تو اپنی اولاد کو بھی نہ دیکھ سکی۔ میں تم سے راضی ہوں تم بھی میرے لئے دعا کرنا۔''

اتنے میں گاڑی آ گئی انہوں نے راستے میں کہا کہ اب مجھے نیند آ رہی ہے پھر انہوں نے کلمہ پڑھا اور ہمیشہ کیلئے سو گئیں۔ اس نے اسی وقت ڈائری میں یہ تمام نصیحتیں لکھ لیں تاکہ بھول نہ جائیں۔ آج وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ اسے سکول کے زمانے کا ایک پرانا شعر یاد آیا۔

وقت تو دو ہی کٹھن گزرے تھے ساری عمر میں
اک تیرے آنے سے پہلے دوسرا جانے کے بعد

ابھی بھی فلائٹ میں چھ گھنٹے باقی تھے۔ اس نے نہا کر کپڑے بدلے اور نماز پڑھی۔ سورۂ یٰسین کی تلاوت کی اور خلوص دل سے دعا مانگی اماں جی کی مغفرت کی دعا۔ پھر بھائی کا فون آیا کہ میں آٹھ بجے تمہیں لینے آؤں گا پھر ایئر پورٹ چلیں گے۔

زاہدہ کھانا پکانے سے فارغ ہو کر آئی اور کہنے لگی۔

اب آپ بھی کھانا کھالیں۔ یہاں لا دوں یا میز پر آئیں گی وہاں تو میں نے لگا دیا ہے۔

چلو وہاں ہی آتی ہو۔

''زاہدہ یہ بتاؤ۔ تم کو اپنے شوہر کی یاد آتی ہے.....''

اس نے نظریں جھکا لیں..... ''کیوں نہیں میڈم میرے بچوں کا باپ ہے۔''

''کیا طلاق ہو گئی ہے۔ یا تم نے ابھی خلع کی درخواست دے رکھی ہے۔''

''جی یونین کونسل میں درخواست دی ہوئی ہے۔ بس وہ ٹالتا رہتا ہے کبھی کوئی بہانہ کبھی کوئی حاضر ہی نہیں ہوتا۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ طلاق دینا نہیں چاہتا یا تم اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔'' وہ خاموش رہی.....

''مجھے نہیں معلوم کہ تمہارا کیا جھگڑا تھا لیکن زاہدہ اپنا گھر اپنا ہوتا ہے۔ میں نے ایک طویل عرصہ شوہر کے بغیر والدین کے ہاں گزارا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ شوہر کے ساتھ کھٹ پٹ ہو بھی جائے تو صلح بہر حال بہتر ہے پھر تمہاری تو بیٹیاں ہیں۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تمہیں رہنے کی جگہ دی ہے اس لئے کہہ رہی ہوں بلکہ ان کو باپ کی چھتری کی ضرورت ہے۔ تم ضرور سوچنا۔ کیا کبھی فون کرتا ہے۔''

''کرتا ہے جی پر میں سنتی نہیں'' فوراً بند کر دیتی ہوں۔

''اب آئے تو مجھے بتانا۔ بلکہ مجھ سے بات کروانا۔''

''جی اچھا..... ویسے میڈم..... کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا۔ میں تو گھر سے نکل کر رُل ہی گئی ہوں۔''

''اگر تمہیں احساس ہو گیا ہے تو میں تمہاری صلح کروا دیتی ہوں۔''

''مجھے ڈر ہے کہ اب وہ مجھے عورتوں کی طرح طعنے دے گا۔''

پھر بھائی کا فون آیا کہ فلائٹ دو گھنٹے لیٹ ہے ہم ذرا دیر سے نکلیں گے۔ اتنے میں زاہدہ آئی۔

''میڈم جی..... صدف کے ابا کا فون ہے جی منظور کا فون ہے۔''

''السلام علیکم..... جی میں منظور بول رہا ہوں۔ زاہدہ سے بات کرنی ہے۔ جی اسے کہیں نا۔ میری بات سن لیں۔''

وعلیکم السلام..... زاہدہ آج کل میرے پاس ہے اور وہ تم سے ناراض ہے تم کہو اس سلسلے میں کیا کہتے ہو۔''

''میڈم جی..... گھر میں کھٹ پٹ تو ہو ہی جاتی ہے۔ جی میری غلطی ہے۔ میں اس سے معافی مانگنا چاہتا ہوں وہ درخواست واپس لے لے اور گھر آ جائے۔ قسم اللہ پاک کی اب میں نہیں لڑوں گا۔''

''اس کی دو تین شرطیں ہیں۔ وہ مان لو تو میں اسے سمجھاؤں گی۔ ظاہر ہے فیصلہ تو اس نے خود ہی کرنا ہے۔''

''جی میڈم جی مجھے اس کی ہر شرط منظور ہے۔''

''بغیر سنے ہی وعدہ کرو۔ وہ اس طرح نہیں مانے گی۔''

''جی دیکھیں ناں.....بچیوں کے ساتھ کدھر کدھر رُل رہی ہے۔ اسے کہیں عقل کرے اور واپس آ جائے۔''

''تم اسے خرچہ دو گے۔ لڑائی جھگڑا نہیں کروں گے اور نوکری کرنے دو گے میں کب جھگڑا کرتا ہوں جی ہمیشہ تکرار وہ شروع کرتی ہے۔''

''بس اس طرح ایک دوسرے پر الزام لگاتے رہو گے تو کبھی بھی صلح نہیں ہو سکتی۔ ایک فریق کو تو چپ ہونا پڑے گا۔ پھر دوسرا اکیلا تو نہیں لڑ سکتا۔''

''اچھا جی جیسے آپ کہیں گی۔ مگر میری سفارش کریں میں پھر کب فون کروں جی کل تو مصروفیت ہو گی۔ تم پرسوں کر لینا۔''

''اچھا جی خدا حافظ۔''

زاہدہ پاس ہی بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی۔ ہنس کر بولی۔

اب اونٹ پہاڑ تلے آیا ہے نا جی.....میں اسے کہا کرتی تھی وے منظور نہ لڑ میں چلی گئی تو فیر نہ آؤں گی۔''

''بس اب جانے دے۔ وہ معافیاں مانگ رہا ہے۔ تیری ہر شرط ماننے کو تیار ہے۔ ضد جانے دے عزت اپنے گھر میں ہی ہوتی ہے۔''

''اچھا میڈم میں سوچوں گی۔''

جونہی یہ لوگ ایئر پورٹ پہنچے۔ طیارے کے لینڈ ہونے کا اعلان ہو رہا تھا۔ عاشی کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ایک ایک پل بھاری ہو رہا تھا۔ ابھی امیگریشن ہو گی پھر سامان کا انتظار کریں گے۔ چیکنگ ہو گی ایک گھنٹہ تو لگ جائے گا۔ اس کے بھائی نے کہا۔ چلو لاؤنج میں بیٹھتے ہیں۔ میں چائے لے کر آتا ہوں۔

استقبال کیلئے آنے والوں کا بہت رش تھا۔ کئی لوگ ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لے کر آئے تھے۔ بوڑھے، بچے، جوان، لڑکے، لڑکیاں، آنکھوں میں اشتیاق کی چمک اور انتظار کی گھڑیاں.....جو طویل لگ رہی تھیں۔

عاشی سب کو دیکھ رہی تھی کہ یہاں ہر انسان کے ساتھ ایک کہانی ہو گی جسے صرف وہ یا اس کا خدا جانتا ہے۔

مسافر آنے شروع ہو گئے۔ ہر چہرے پر اسے خرم کا دھوکہ ہوتا۔ تھکے ہوئے مسافر ٹرالی دھکیلتے اپنوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھتے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔

جونہی خرم نظر آیا۔ بڑھی ہوئی شیو۔ میلے کپڑے، چہرے پر صدیوں کی تھکن۔ خالی ہاتھ میں صرف ایک بیگ..... تھکے تھکے قدم اٹھاتا.....یہ خرم ہے.....اسے یاد آیا۔

عمر دراز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

وہ بھائی سے گلے ملا۔ جونہی اس نے عاشی کا ہاتھ پکڑا۔ اس کی سسکی نکل گئی۔ اماں کیسی ہیں.....اس کی نظریں سوالی تھیں.....

دونوں چپ رہے۔ بھائی نے پوچھا سامان کہاں ہے۔ گھر چلتے ہیں پھر دیکھ لینا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی بولا۔ میں نے خواب میں اماں کو دیکھا تھا۔ سفید لباس میں تھیں کہ تم نہ جانے کب آؤ گے۔ میں تو جا رہی ہوں۔ میں نے انہیں بہت روکا۔ لیکن وہ کمرے سے نکل گئیں اور دروازہ کھلا چھوڑ گئیں.....بس میں نے واپسی کی سیٹ کرا لی عاشی پچھلی سیٹ پر تھی۔ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ خرم نے مڑ کر دیکھا.....کیا ہوا.....عاشی.....

اماں جاتے جاتے میرا کام آسان کر گئیں ورنہ میں سارا دن یہ سوچتی رہی کہ تمہیں کیسے بتاؤں گی۔ کہ اماں ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئیں۔

اس کے بعد گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔

☆.....☆.....☆

کیسا سچ.....!

نانی اماں کا گاؤں جوں جوں قریب آ رہا تھا۔ سب کا دل وفورِ شوق سے جیسے اڑا جا رہا تھا۔ نانی جان کی بے لوث محبتیں، پیار، خلوص انھیں کشاں کشاں کھینچے لیے جا رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا پر لگ جائیں اور وہ ایک دم ان در و دیوار کے بیچ جا اتریں جہاں ان کی پیاری سی، پوپلے منہ والی، سفید سر والی نانی اماں رہتی تھیں۔ ننھیال میں سوائے نانی اماں کے آج کل اور کوئی نہیں تھا۔ تینوں ماموں نوکریوں کے سلسلے میں ملک کے دوسرے شہروں میں مصروف معاش تھے۔ امی جان چونکہ ان کی اکلوتی بیٹی تھیں اس لیے ننھیال کی محبتیں نانا جان مرحوم کی شفقتیں پھر اپنے بھائیوں کی بے حد لاڈلی اور چہیتی بہن کے حوالے سے ماموں کی، والہانہ چاہتیں.....ان بچوں کے حصے میں ایسے آئیں کہ وہ محبتیں دگنی چوگنی ہو گئیں۔

یہ اُن محبتوں کا صلہ ہی تھا جو اُنھیں بے تابی سے کھینچے لیے جا رہا تھا۔ انھیں سال میں ایک بار ہی تو گاؤں جانا نصیب ہوتا۔ جب گرمیوں کی چھٹیاں نوید مسرت بن کر آنگن میں اترتیں۔ وہاں ماموں بھی بچوں سمیت آ جاتے۔ دس پندرہ دن خوب ہنگامہ خیز خوشی کے دن ہوتے۔ گاؤں کی بالکل ہی الگ مزے کی اپنی دنیا ہوتی۔ تندور کی گرما گرم روٹیاں، ٹھنڈی لسی، تازہ مکھن، گرم گرم توے سے اترتے پراٹھے۔ خالص گھی میں پکے پکوان پھنکنی سے آگ جلانے کا نیا لطف، صحن میں سیپارہ پڑھتی لڑکیوں کی آواز ..... یہ سب کچھ کتنا دلفریب تھا۔ اور یہ دلفریبی انھیں بھگائے لیے جا رہی تھی۔

وہ تینوں بچے علی الترتیب جن میں بڑی بیٹی شمائلہ، میڈیکل کے دوسرے سال میں تھی۔ دوسرے نمبر پر کامران تھے جو ایف ایس سی کر رہے تھے۔ سب سے چھوٹے.....چھوٹو میاں 6th کلاس کے طالب علم تھے۔ ان کے والد آرمی میں میجر تھے اور آج کل کوئٹہ میں اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے تھے۔ ان کی چھٹی اگرچہ اتنی نہیں تھی۔ ابھی کچھ دن انھوں نے ددھیال میں بھی گزارنا تھے۔ اگرچہ ان کی والدہ بیٹے کے ساتھ ہی تھیں (جب سے والد کی وفات ہوئی تھی) لیکن اپنی زمینوں کی دیکھ بھال، خیر خبر اور اپنے سب بہن بھائیوں سے ملاقات کے لیے بہر طور اپنے شہر بھی جانا تھا اور زمینوں پر بھی۔ ددھیال ننھیال دونوں ہی محبتوں کے ایسے دریا تھے جو اس گھرانے کے لیے باعث رحمت تھے۔ جب تک قریب قریب پوسٹنگ رہی وہ عید بقرعید پر یا کسی نہ کسی تہوار پر ضرور اکٹھے ہو جاتے تھے لیکن اتنی دور پوسٹنگ کی وجہ سے اب بار بار آنا ممکن نہیں رہا تھا۔

تینوں بچے کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے اردگرد کے مناظر میں کھوئے ہوئے تھے۔ کار کے شیشوں سے باہر گزرنے والا یہ منظر ان کے لیے مسحور کن تھا۔ سرسبز کھیت، کھیتوں میں کام کرتے کسان۔ ہل، ٹریکٹر، دور رنگین آنچل لہراتی گاؤں کی الہڑ مٹیاریں۔ سر پر لسی کے ڈولے لے کر جاتی پنجاب کی سوہنیاں اور ہیریں، آسمان پہ اڑتے بگلوں کی قطاریں..... بجلی کے تاروں پر بیٹھی جھولے لیتی کوئلیں.....رنگین چڑیاں.....کھیتوں میں کہیں فصل پکی ہوئی کہیں اتنی صاف جیسے کنگھی پھیری ہو۔ کہیں کپاس چنتی عورتیں کہیں بھٹے پر اینٹیں بناتی عورتیں جا بجا کچے پکے گھر.....اور اونچے نیچے راستے.....راستے کے اطراف درخت.....ان بچوں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جگہ جگہ کار رکوائیں۔ کبھی کسی کھیت کے سامنے، کبھی دور ٹیوب ویل کے پانی کی موٹی دھار دیکھ کر.....کبھی ٹاہلی پر کسی نے جو جھولا ڈالا ہے تو اس پر جھولا لے کر جائیں۔

نانی اماں کا گاؤں ایک دو موڑ مڑتے ہی نظر آ گیا تھا۔ وہی برگد کا

بڑا سا گھنا درخت، مسجد کے سفید پاکیزہ مینار اور اونچے نیچے اینٹوں اور کہیں مٹی سے لپے گھر..... پانی کا بڑا سا تالاب۔ تالاب میں تیرتی نہاتی بھینسیں اور انسان..... کپڑے دھوتی عورتیں۔ پانی میں تیرتی بطخیں اور بکریوں کا پاس سے گزرتے ریوڑ..... دائیں مڑتے ہی بڑے سے گیٹ پر ہارن بجایا گیا..... اور بجلی کی سی سرعت سے گیٹ کھلا..... اور صحن میں ''السلام علیکم'' اور آپا جی آ گئے، آپا جی آ گئے کی آوازیں گونجنے لگیں۔

سامان ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ بچیاں جونانی اماں سے قرآن شریف کا درس لینے آئی تھیں۔ اب ان کی طرف متوجہ تھیں۔ نانی اماں نے تقریباً گاؤں کی ہر بچی کو قرآن فی سبیل اللہ پڑھا دیا تھا اور یہ بہت بڑی سعادت تھی۔ خود سیپارے خرید کر دیے جاتے اور ختم قرآن پر نئے جوڑے دیے جاتے۔ وہ بچیاں سوئی سلائی اور کھانا پکانا بھی سیکھتی تھیں۔ بڑا سا صحن جیسے خوشیوں بھری آوازوں سے چہک اٹھا تھا۔ نانی اماں کے سینے سے لگ کر روح تک میں ٹھنڈ اتر گئی۔ صحن کے دائیں طرف ڈیوڑھی اور ڈیوڑھی کے پیچھے دوسرا صحن تھا۔ جہاں بھینسیں بندھی تھیں۔ اسی صحن کے ایک کونے میں واش روم بنا تھا۔ جہاں بہت شروع ہی سے ماموں نے فلش سسٹم لگوالیا تھا۔ بجلی گاؤں میں آ جانے سے شہری سہولیات گاؤں میں بھی مہیا تھیں۔ بجلی سے چلنے والی سب جدید ترین اشیاء نانی اماں کے گھر مہیا تھیں۔ شہر اور گاؤں کا فرق اتنا نہیں تھا کہ بچے محسوس کرتے۔ پچھلے صحن کی آخری حد پر تندور بنا تھا۔ تندور میں جلانے والی لکڑیوں کا ایک طرف ڈھیر تھا۔ ٹاہلی اور دھریک کے درخت تھے۔ صحن کے ایک کونے میں بندھی بھینس جگالی میں مصروف تھی۔ اس کے منہ سے بنتا جھاگ بچوں کے لیے ایک اور حیران کن منظر ہوتا۔

بچے نانی اماں کے گھر اترتے ہی سارے گھر میں ایسے چکر کاٹتے جیسے اسے نئے سرے سے Explore کر رہے ہوں۔ ابھی پچھلے صحن میں، ابھی چھت پر..... ابھی سامنے کمروں میں۔ ابھی نعمت خانے میں، ابھی جالی کی ڈولیوں کو کھنگالا جا رہا ہے۔ نانی اماں کے ہاتھ کی بنی مختلف مزے کی اشیاء ڈھونڈ کر نکالی اور کھائی جا رہی ہیں۔

افوہ..... یہ سوجی بھنی رکھی ہے..... ہر طرح کے میوہ جات سے بھری سوجی..... بہت مزے کی ہے۔..... اور یہ..... گلقند گھر کی تیار شدہ..... یہ نشاستے اور چاول کے لڈو ہیں اور یہ تل کے لڈو پڑے ہیں..... واہ مزہ آ گیا..... کیا بہار تھی..... بچے خوشی سے نہال ہو رہے تھے، تبھی سامنے کے کمرے سے ایک اور سفید سر والی بوڑھی خاتون جو نانی اماں کی ہی تقریباً ہم عمر تھی صحن میں شور سن کر دائیں طرف کے کمرے سے نکلتی چلی آئیں۔

''ک..... کون آیا ہے'' پیلاہٹ لیے ہوئے سفید رنگت، درمیانہ قد بت مہندی لگے سرخ بال..... غالباً نظر کمزور تھی۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔

''اچھا..... میری دھی فہمیدہ تے پتر یعقوب آیا ہے۔''

''ادھر آؤ..... بچو..... سلام کرو..... یہ بھی تمھاری نانی اماں ہیں۔'' بچوں نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور تابعداری سے سر جھکا کر اپنے سروں پہ اُن کا لرزتا ہاتھ پھروالیا۔ حالانکہ بال خراب ہونے کا کھٹکا انھیں ایسے موقعوں پر ہمیشہ گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ لیکن انھیں معلوم تھا محبتوں کے یہ انداز صرف بزرگوں کے پاس ملتے ہیں۔ ان کی امی جان نے ان بزرگ خاتون کا تعارف کروایا جو دور کی رشتہ دار تھیں۔ جن کے میاں عبدالغفار محکمہ جنگلات میں سپروائزر تھے۔ اچھی خوشحال زندگی تھی جو شوہر کے ساتھ گزری..... شوہر کے انتقال کے بعد سسرال اپنے گاؤں چلی آئیں اولاد نہیں تھی۔ ان کے میکے میں بھی بیشتر لوگ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ وہ دکھی اور تنہا خاتون تھیں اور کبھی کبھار نانی اماں سے ملنے چلی آتی تھیں۔

یہ پہلے روز کا تعارف تھا۔ چونکہ سب انھیں ماسی جی کہہ رہے تھے۔ اس لیے بچوں نے بھی ماسی جی ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔ دوسرے روز ماموں اور ان کے بچے بھی پہنچ گئے تھے اور یوں رونق اور بھی سوا ہو جاتی تھی۔ کبھی سب مل کر قریبی ندی پر چلے جاتے جہاں پانی اور ریت کے گھروندے بناتے اور ریت میں دبی چھوٹی چھوٹی سیپیاں چن کر لاتے۔

رات کو بڑے سے صحن میں چارپائیاں بچھائے اجلے بستروں پر جب وہ لیٹتے تو ماسی جی کوئی نہ کوئی مزے کا قصہ جو اُن کے ساتھ پیش آیا یا کہیں سے سنا، وہ بڑے پر لطف اور مزاحیہ انداز میں سنانے لگتیں ..... جسے سن کر سب چھوٹے بڑے بے اختیار ہنسنے لگے۔ بچوں کے تو مزے ہو گئے تھے۔ دن کو کنویں کا پانی نکلوا کر اس سے نہاتے، شام ہوتے ہی سب ٹولی کی شکل میں ندی کا رخ کرتے۔ اونچے نیچے ریت کے ٹیلوں پر کھیلتے۔ چھلانگیں لگاتے۔ ندی کے پانی کے ساتھ شوخیاں کرتے۔ گھر والے ڈانٹتے کہ کہیں وہ ندی کے پانی کے ساتھ دور تک نہ چلے جائیں یا دلدلی زمین کی طرف نہ نکل جائیں۔ بچوں کے ساتھ ان کے والدین ہمیشہ موجود ہوتے۔ وہ بھی ٹھنڈی ہوا کے پر کیف جھونکوں اور ندی کے شفاف پانی کو انجوائے کرتے۔ یہ ندی تھوڑی دور چل کر کھلے پاٹ کے چھوٹے سے دریا کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ کبھی وہ ندی میں کاغذ کی ناؤ بناتے اور تھوڑی دور ساتھ ساتھ چلتے کبھی اس کے صاف پانی میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیرتی نظر آتیں تو بچے بے چین ہو جاتے کہ مچھلیاں پکڑ کر گھر لے جائیں ..... مچھلیاں پانی میں تیرتی ہوئی ان کے ہاتھوں سے پھسل پھسل جاتیں۔ سب خوب ہنستے ..... رات کو بستروں میں لیٹتے تو چاند صحن پر اور جھک آتا۔ ٹھنڈی ہوا انھیں تھپکیاں دینے لگتی۔

رات کو صحن میں لگے بڑے سے درخت پر بئے کے گھونسلے اور ٹوکریوں نما گھر میں پرندے آ کر شور مچاتے مچاتے سو جاتے۔

نانی اماں ہوں اور ان سے کہانی نہ سنی جائے ..... ایسا کبھی ہو نہیں سکتا ..... ''نانو'' خواہ آج کے دور کی ہو یا آنے والے وقت کی ..... ہمیشہ ''نانو'' ہی رہے گی۔ اسے بے پایاں محبت کے خزانوں سے لبالب بھری ہوئی بچوں کی ایک ایک ادا پر سو سو بار فدا ہوتی ہوئی ..... کہانیاں اور لوریاں دے کر سلاتی ہوئی .....

رات کو بچے نانی اماں سے بہت پہلے کی سنی ہوئی کہانیاں پھر اسی ذوق و شوق سے سنتے۔ وہی چڑیا دال کی کہانی ..... وہی کمہار اور گدھے کی کہانی، وہی کوے، جن اور پری کی کہانی .....

اور اب تو لطف اور بھی آنے لگا تھا ..... ''ماسی جی'' بھی خوب خوب نئے نئے قصے سنانے لگی تھیں۔ کبھی بچے ماسی جی سے بحث کرنے لگے۔

''ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم نہیں مانتے۔''

کبھی الٹھے سیدھے سوال کرتے ..... ''یہ کیسے ہو گیا''

ماسی جی بھی خوب تھیں ..... ہر سوال کا بھرپور دفاع کرتیں اور یوں صحن زعفرانِ زار بنا رہتا۔ بچوں کو ماسی جی سے جو جھجک محسوس ہو رہی تھی وہ اب دن بدن دوستی میں ڈھل رہی تھی۔

☆☆☆

انھیں آئے ہوئے تیسرا روز تھا جب صبح اٹھے تو انھیں صحن میں ایک عجیب سی ہنسی کی لہر کا احساس ہوا۔ تھڑے پہ بیٹھی چند لڑکیاں برتن دھوتے دھوتے ہنس رہی تھیں۔ چولہے کے پاس بیٹھی کچھ لڑکیاں ہنس رہی ہیں ڈیوڑھی میں بھینس کو چارہ ڈالنے اور نہلانے والی درمیانی عمر کی عورت ہنس رہی ہے ..... سب ایک لحظے کے لیے حیران بھی ہوئے۔ تب ایک کام کرتی بچی اپنے منہ پر دوپٹے کا پلو ڈالتے ہوئے بولی .....

''اودیکھو تے سئی پچھلے ویڑے میں کیا ہو رہا ہے۔''

وہ بھاگتے ہوئے متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہاں پہنچے۔ وہاں دیکھا تو ماسی جی فل سپیڈ پنکھا لگائے خود چارپائی پر بیٹھی تھیں۔ یہ کوئی حیران کن منظر تو نہیں تھا جسے بہت خاص انداز سے بتایا جائے۔ تب ہی ایک عورت بولی۔

''ماسی جی آج دوبارہ کپڑوں سمیت نہائے ہیں ..... کپڑوں پر ہی صابن مل کر دھویا ہے۔ پہنے پہنے ہی ..... اور اب پچھلے صحن میں بیٹھے سکھا رہے ہیں۔''

''ہائیں کیوں .....؟'' حیرت سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

''ہمیں کیا پتا جی ..... جب سے آئے ہیں ایسے ہی کر رہے ہیں ..... کپڑوں سمیت نہاتے ہیں اور پھر پنکھا لگا کر اس کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں ..... اور کپڑے سوکھا لیتے ہیں۔''

''شدید انبار میلیٹی ہے۔'' شائلہ نے حیرت سے کہا۔ وہ ڈاکٹری

پڑھ رہی تھی اور انسانی صحت کے بارے میں سب سے بڑھ کر فکر مند تھی۔ گھر کے بزرگوں نے شرما حضوری میں ماسی جی سے اس سلسلے میں زیادہ کرید نہیں کی.....لیکن شائلہ کو تو جیسے پریشانی نے آ گھیرا تھا۔

''یہ کوئی ہنسنے والی بات نہیں ہے۔ میں ابھی جا کر ماسی جی سے پوچھتی ہوں اور انھیں سمجھاتی ہوں کہ ایسا کرنا ان کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔''

''باجی جی ۔ میں نے انھیں بہت کہا کہ اپنے کپڑے اتار کر دھونے کے لیے دے دیں۔ ہم دھو کر استری کر کے دیں گی۔ مگر وہ ہماری سنتی ہی نہیں جی.....''

''اچھا میں خود جا کر منع کرتی ہوں.....ڈاکٹری نقطہ نظر سے بھی یہ شدید ترین غلط رویہ ہے۔''

شائلہ ماسی جی کو سمجھانے گئی جو اس لمحے بال کھولے سفید بھیگے موٹے ململ کے دوپٹے کی بکل مارے چارپائی پر اکڑوں بیٹھے پنکھے کی زد میں بیٹھی تھیں۔

''ماسی جی..... یہ بہت خطرناک ہے.....آپ کو ٹھنڈ لگ سکتی ہے .....جسم سرد گرم ہو سکتا ہے۔ آپ کو بخار ہو سکتا ہے۔ پلیز ایسی غلطی دوبارہ نہ کرنا۔''

''میری فکر چھڈ دیو..... مجھے کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس طرح مجھے سکون مل رہا ہے۔ میرے جسم کی فالتو گرمی ختم ہو رہی ہے۔ میں آرام محسوس کر رہی ہوں۔''

''نہیں ماسی جی آپ غلط کر رہے ہو.....پلیز آئندہ ایسے نہ کرنا۔ بلکہ ابھی آپ اٹھ کر سوکھے کپڑے پہن لیں۔''

''میری فکر نہ کرو.....کہہ جو دیا سب ٹھیک ہے۔''

بچے اپنے بزرگوں کی طرف پلٹے جو خود بھی حیران بیٹھے تھے۔ پتہ نہیں شاید اکیلے رہ رہ کر انسان بعض اوقات بے معنی عادات اپنا لیتا ہے یہ سب تنہائی اداسی اور اکلاپے کا شاخسانہ ہے۔

''میں سمجھاؤں گی رقیہ (ماسی جی) کو۔''

اب اگر بچہ ایسی الٹی سیدھی حرکت کرے تو انسان اس کے کان کھینچ سکتا ہے، ڈانٹ سکتا ہے، لیکن ستر سالہ بوڑھی اور سمجھدار خاتون کو کون سمجھائے .....سب حیران تھے.....لیکن گھنٹے بعد ان کے کپڑے سوکھ گئے.....اور بات آئی گئی ہو گئی۔

☆☆☆

نانی اماں اسی دن پھر پریشانی سے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے ذکر کر رہی تھیں ''آج پھر رقیہ بہن نے ویسا ہی کیا۔ صبح صبح نہا کر پنکھا لگائے بیٹھی رہی.....اور اب کپڑے سوکھائے ناشتے کے لیے آ گئی ہے۔ پتا نہیں یہ اپنے بیگ کی حفاظت ایسے کیوں کر رہی ہے کہ اسے کھولنے کی روادار بھی نہیں ہو رہی۔''

''ہو سکتا ہے کنجوس ہو.....اپنے نئے کپڑوں کو ہوا بھی نہ لگنے دے رہی ہو۔''

''بڑھاپے میں دماغ کا پرزہ ڈھیلا ہو گیا ہے شاید۔''

''ہو سکتا ہے اٹیچی میں وہ سونا ہو جو انھیں میکے یا سسرال سے ملا تھا اس کی حفاظت کے پیش نظر کھولتی ہی نہ ہوں کہ کہیں کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔''

''اب کیا کہہ سکتے ہیں .....ایسا پہلی دفعہ ہی دیکھ اور سن رہے ہیں۔''

☆☆☆

بچوں کی چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں ..... اب ان بچوں نے کچھ چھٹیاں اپنی پیاری دادو کے پاس بھی گزارنا تھیں۔ چچا اور پھوپھو کی محبتیں بھی سمیٹنا تھیں۔ بچے اب خود بھی دادو سے ملنے اور ان کے گھر جانے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ ایک ماموں کی چھٹیاں کم تھیں وہ واپس لوٹ چکے تھے۔ بچوں کی اپنی چھٹیاں ختم ہونے کی اداسی نے گھیر لیا تھا۔

نانی اماں کے چہرے پر بھی اداسی کے بادل آ کر ٹھہر گئے تھے۔

یہ دس دن تو پتا ہی نہیں چلے ..... کیسے گزر گئے .....سال بعد تو آپ لوگ آ رہے ہیں۔ زیادہ چھٹی لے کر آتے۔

''بس آپ فکر نہ کریں نانی اماں .....امتحان ختم ہوتے ہی میں چند دن کے لیے آپ کے پاس آ کر رہ جاؤں گا۔'' ماموں جان نے

کہا۔

☆☆☆

وہ حبس زدہ دن تھا۔ اپنا سامان پیک کیے وہ تیار بیٹھے تھے۔ نانی اماں نے ڈھیروں گاؤں کی سوغات تیار کروا رکھی تھیں۔ جن میں گھر کی دالیں، چاول تک کپڑے کی تھیلیوں میں ڈالی جا رہی تھیں ..... گڑ کے چاول، سوجی، مربے، اچار بھی ساتھ جا رہے تھے۔ تب ہی اچانک بادل جھوم جھوم کر آ گئے ..... اور دیکھتے دیکھتے بارش نے چہار سو جل تھل کر دی ..... ''لو میری دعائیں رنگ لے آئیں ..... اب اس بہانے ایک رات تو اور رک جاؤ گے۔''

اور پروگرام اگلے روز کی واپسی کا ٹھہرا۔ بچوں کو یہ ایک دن بھی جیسے بہاروں کی نوید بن کر محسوس ہوا۔ صحن میں اولوں کو اکٹھے کرنے کی مہم جوئی شروع ہو گئی۔ بچے ڈانٹ کھاتے پلیٹیں ہاتھ میں پکڑے اولے اکٹھے کرنے لگے تھے۔ سارا صحن اولوں سے سفید ہو رہا تھا۔ تب ہی دیکھا تو ماسی جی ایک بار پھر نہا کر گیلے گیلے کپڑوں سمیت برآمدے میں آ کر بیٹھ گئیں۔

''یہ کیا ماسی جی آج پھر ..... چلیں جلدی سے سوکھے کپڑے پہن لیں۔''

''گرمی لگ رہی تھی، سوچا چلو نہا لوں ..... نہا کر نکلی ہوں تو بارش شروع تھی ..... اور یہ اولے بھی پڑنا شروع ہو گئے۔''

''پلیز ماسی جی، خدا کے لیے سوکھے کپڑے پہن لیں۔ آج ہوا اچانک ٹھنڈی ہو گئی ہے۔''

''بہن رقیہ مجھے اپنے کپڑے دو ..... میں سوکھنے اندر ڈلوا دیتی ہوں تم کپڑے تبدیل کر لو ..... آج پنکھے کے سامنے نہ بیٹھنا ..... ہوا لگ جائے گی ..... موسم اچانک تبدیل ہو گیا ہے۔''

''ایک تو یہ آپ سب میری فکر چھوڑ دیں۔ نہیں لگدی مینوں ٹھنڈ۔''

برآمدے میں سیپارہ پڑھتی لڑکیاں بھی ماسی جی کے گرد جمع ہو گئیں۔ ''ماسی جی، آپ کو اللہ کا واسطہ ..... سوکھے کپڑے پہن لو ..... اچھا نہیں لگتا ..... آج ایک تو بارش ..... ایک آپ کو ایسے گیلی حالت میں دیکھنا .....''

''کیوں؟ جو لوگ بارش میں سفر کرتے ہیں بھیگ نہیں جاتے بارش میں ..... یہ سمجھو ..... میں بارش میں بھیگ گئی ہوں .....''

''جو لوگ بارش میں بھیگتے ہیں وہ فوراً سوکھے کپڑے تبدیل کر لیتے ہیں۔''

''بس ہن کوئی شور نہ پائے۔ مینوں چین ملدا اے۔''

ان کی ایسی دوٹوک بات پہ سب ہی چپ رہ گئے۔ کہتے تو کیا کہتے۔ شام کو اچانک ہی ماسی جی کے سینے میں درد اٹھا۔ جسم سردی سے کپکپانے لگا ..... انھیں فوراً کمبل اوڑھا دیا گیا۔ گرم گرم دودھ میں انڈہ پھینٹ کر دیا گیا ..... بخار کی دوائی دی گئی ..... رات کو یخنی بنائی گئی ..... لیکن دوسری صبح جب کسی کے اٹھانے پر بھی وہ نہ اٹھیں تو ان کی چادر ہٹائی گئی ..... ان کے ماتھے پہ ہاتھ رکھا ..... آنکھیں موندے چہرے پہ پرسکون مسکراہٹ لیے رات کے کسی پہر وہ فرشتہ اجل کا ہاتھ تھامے دوسری دنیا میں جانے کب کا اٹھ کر چل دی تھیں جو کل تک ٹھیک ٹھاک تھیں ..... ہنستی ہنساتی ..... کہانیاں سناتی ..... سچے واقعات ..... اور لبادوں کے قصے سناتی ..... اس پاک سادہ بے نام سی روح نے اچانک دنیا کے سارے دھندوں اور فکروں سے منہ موڑ لیا تھا .....۔

☆☆☆

ہنستے ہنساتے گھر میں اچانک شاک کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ماسی جی کی موجودگی کو غیر شعوری طور پہ سب نے گھر کے ہی ایک فرد کی طرح قبول کر لیا تھا۔ جن کا پیار، خلوص، آنکھوں اور جھریوں سے جھانکتا تھا ..... اور چہار سو بکھرتا تھا۔ جو واقعات وہ سناتی تھیں ان واقعات میں ان کا بچپن و جوانی اور بڑھاپا مسکراتا تھا۔

☆☆☆

ان کے پیچھے سسرال میں اور میکے اطلاع بھجوائی گئی ..... میکے میں کوئی ہوتا تو آتا ..... ایک بھائی تھا جو خود بھی عمر میں ان سے بڑا تھا۔ آج کل چلنے پھرنے سے معذور تھا ..... والدین انتقال کر چکے تھے ..... بھائی

کے بچے ملک سے باہر تھے۔ سسرال میں بھی کم وبیش یہی صورت حال تھی۔ دیور جیٹھ اپنے کاروبار میں مگن تھے ..... اکا دکا گاؤں کے لوگ سسرال سے جیٹھ اور ایک دیور جنازے میں پہنچا۔ سب کا متفقہ فیصلہ تھا کہ ماسی جی کو قریبی قبرستان میں ہی دفنا دیا جائے۔

لاش کو گاؤں لے کر جانے پر کوئی بھی آمادہ نہ تھا۔ جو چند لوگ ان کے جنازے میں شرکت کے لیے آئے ان کے ذریعے معلوم ہوا کہ مکان کب کا جیٹھ اپنے بچوں کے نام کروا گیا ہے۔ اب کٹیا نما کمرہ ہی ان کی اماجگاہ تھا..... تھوڑی سی زمین تھی، وہ بھی بٹ بٹا کر ختم ہو چکی تھی۔ جبکہ پنشن جو شہر سے ان کا جیٹھ لے کر آتا تھا ان کی بے بسی، بے چارگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں قلیل رقم دیتا۔ باقی اپنے اخراجات کا کہہ کر خود رکھ لیتا۔

☆☆☆

ماسی جی کی وفات کا دوسرا دن تھا۔ جب اچانک کسی کو خیال آیا کہ ماسی جی اپنا پرانا اٹیچی بہت سنبھال کر رکھتی تھیں۔ اسے کھول کر دیکھ لینا چاہیے۔ اگر کوئی امانت ہو تو ان کے وارثین جو بھی سسرال یا میکے میں ہیں انھیں پہنچا دینی چاہیے..... تا کہ ان کی روح کو سکون مل سکے۔ اٹیچی کا تالہ اتنا بوسیدہ تھا کہ ہاتھ لگتے ہی تھوڑا سا کھنچنے پر کھل گیا..... بیگ کے اندر کا حال دیکھتے ہی سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں ..... نہیں قارئین جو آپ سوچ رہے ہیں ایسا کچھ بھی نہیں تھا..... وہاں کوئی رقم۔ کوئی دستاویز، کوئی سونا..... کوئی چاندی وغیرہ نہیں تھی ..... بجز ..... ایک پھٹے پرانے کپڑوں کے جوڑے کے ..... جس کی ناگفتہ بہ حالت زار اپنے پہننے والے کی مالی حالت پہ نوحہ کناں تھی۔ سوتی کپڑوں پر کہیں کہیں دوسرے کپڑوں سے پیوند لگے تھے۔ ململ کے دوپٹے میں جگہ جگہ چھید تھے۔ ان کے سسرال کے ایک رشتے دار نے صحیح کہا تھا کہ ان کی پنشن بھی انھیں پوری نہیں دی جا رہی۔ ان کا زیور بھی شاید ان لوگوں نے ہتھیا لیا تھا۔ وہ خود ہی بیچ کر گزارا کرتی رہی تھی۔ واللہ اعلم۔

غم سے سب چہرے تاریک ہو گئے تھے۔ اپنی عزت ساکھ بھرم کو بچانے کے لیے وہ ایک ہی جوڑے کو جو اچھی حالت میں تھا اسے ہی بدن پر دھوتی اور سکھاتی رہی تھیں۔ اپنی عزت و بے چارگی ..... کم مائیگی، کسمپرسی کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی..... اگر ذرا سا بھی شک گزرتا تو ڈھیروں ڈھیر کپڑے انھیں مل جانا تھے..... آہ..... وہ سب حقیقت سے کتنے غافل تھے ..... سب سر جھکا کر بیٹھ گئے ..... ان کے ذہن میں بھی ایسا خیال کیوں نہیں آیا کہ وہ اس پہلو سے بھی سوچتے۔

ان کی آنکھوں سے چپ چاپ آنسو بہنے لگے تھے۔

اٹیچی بند کر دیا گیا اور اسی شام کو جا کر اسے ندی میں بہا دیا گیا۔ مبادا کسی کی نظر ان کپڑوں پر نہ پڑ جائے جس عزت ..... ساکھ، بھرم کو بچانے کی وہ تگ و دو کرتی رہی تھیں۔ اس عزت کی حفاظت اور پاسداری ان سب کا فرض تھا۔ بیگ ندی کے پانی میں دور تک بہتا رہا۔ اور پھر ڈوب گیا۔ اسی لمحے آسمان پہ پورا چاند مسکرا رہا تھا۔ ان سب کو یوں لگا دور کہیں آسمان پہ چاند کی صورت میں وہ بھی مسکرا اٹھی ہیں ..... اور کہہ رہی ہیں ..... شکریہ.....

☆.....☆.....☆

آگ

''ہیلو میں ماریہ بات کر رہی ہوں۔''

''کہو! کیا بات ہے'' دوسری طرف سے انتہائی سرد مہری سے کہا گیا۔

''روشی! میری بہن امی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے وہ تم سے ملنے کیلئے تڑپ رہی ہیں: تم تھوڑی دیر کیلئے آ جاؤ۔''

'سوری' روشی نے حد درجے روکھے انداز میں کہا ''میں نہیں آ سکتی۔'' ''کیوں روشی کیوں؟ آخر ایسا کیا ہو گیا؟ کیا تم اپنے گھر میں خوش نہیں۔'' ماریہ تڑپ اٹھی۔ ''جس ماں نے تمہیں جنم دیا پروان چڑھایا تم اس سے ہی ناراض ہو۔''

''تم اچھی طرح جانتی ہوں۔'' روشی کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔ ''میں تم کو اور امی کو کبھی معاف نہیں کروں گی تم لوگوں نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔''

''وہ دھوکا نہیں تھا۔'' ماریہ نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا: ''تم سوچ بھی نہیں سکتیں ہم نے تم کو ایک خوفناک تباہی سے بچالیا۔''

''کیوں بچایا مجھ کو۔'' وہ اتنے زور سے چیخی کہ ریسیور سے لگا ماریہ کا کان جھنجھنا اٹھا ''کس نے کہا تھا میرے ساتھ ایسی ہمدردی کرنے کو اور ماریہ تم ساری زندگی مجھ سے حسد کرتی رہیں۔ میری خوشیوں سے جلتی رہیں۔ میں تم کو اور امی کو کبھی معاف نہیں کروں گی تم دونوں نے مل کر میری خوشیوں کو ناگن کی طرح ڈس لیا ہے۔'' اس کے زہر میں بجھے ہوئے الفاظ تیر کی طرح ماریہ کے دل میں لگے وہ بالکل گم صم ہو کر رہ گئی کچھ بول ہی نہ سکی دوسری طرف ریسیور پٹخنے کی آواز سن کر ایسا لگا کہ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔ روشی اس قدر خفا ہو گی یہ تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

روشی کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی وہ کچھ گنگنا رہی تھی ماریہ نے بغور اس کی طرف دیکھا روشی اور گنگناہٹ! وہ حیرت زدہ رہ گئی یہ تو ایسا ہی تھا جیسے آگ اور پانی کا ملاپ اس نے سوچا اور غور سے سننے لگی وہ ایک ہی مصرعے کو بار بار دہرا رہی تھی۔

''اف توبہ اتنا گھٹیا Taste ہو گیا ہے روشی کا'' ماریہ نے حیرت سے سوچا۔

اچانک وہ مڑی تو ماریہ کو اپنی طرف دیکھتا جھینپ گئی ماریہ کی نظریں ایکسرے کی طرح اس کے اندر باہر کو کھنگال رہی تھیں۔ ''کیوں کیا ہوا'' اس نے نظریں چرالیں ''کیا دیکھ رہی ہو؟۔

''کچھ نہیں'' ماریہ کچھ خفا سی ہو گئی۔

روشی نے کندھے اچکائے اب وہ رائٹنگ ٹیبل پر موجود ریوالونگ چیئر پر آ کر بیٹھ گئی وہ میز پر ہلکے ہلکے انگلیاں پھیر رہی تھی۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہی تھی اس کے چہرے پر کیسی خوبصورت چمک اور انوکھے رنگ بکھرے تھے یہ کس کا اعجاز تھا؟ ماریہ سوچ میں پڑ گئی روشی کو بھی اس کی گہری نظروں کا احساس ہو گیا تھا۔ ''کیوں گھور رہی ہو؟'' اس نے ماریہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو روشی'' ماریہ نے پر یقین لہجہ میں کہا۔

''لیکن کیا؟'' روشی حیرت سے گڑبڑا کر بولی۔

''کچھ بھی کوئی ایسی بات جو مجھے نہیں پتا۔'' ماریہ نے کندھے اچکا کر کہا۔

''ہو سکتا ہے۔'' روشی کا لہجہ طنزیہ ہو گیا ''تم معلوم کر لو مجھ سے۔''

''یہ گنگناہٹ، کھلکھلاہٹ، یہ خوشی، یہ ترنگ بلاوجہ نہیں۔'' ماریہ

نے گنگنا کر کہا۔

''کیا مطلب'' روشی گھبرا گئی ''تم کیا کہنا چاہتی ہو۔''

''وہی جو تم سمجھ رہی ہو۔'' ماریہ چبا چبا کر کہا۔

''تم کو کوئی غلط فہمی ہے ہنی۔'' روشی نے پیار سے کہا۔

''تم میری چھوٹی بہن ہو میں تم سے بھلا کیا چھپاؤں گی۔''

''جلد ہی پتا چل جائیگا۔'' ماریہ اپنی کتابوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

رات کے چار بجے تھے، ماریہ کی اچانک آنکھ کھل گئی پتہ نہیں کیسا خواب تھا اس نے دہشت زدہ ہو کر سوچا، دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے ہاتھ پیروں سے جان نکل رہی ہو عجیب سی حالت ہو گئی تھی کیسا عجیب خواب تھا اسے کروٹ لیتے ہوئے سوچا۔ ابھی وہ اسی کیفیت میں تھی کہ ایک بے ساختہ ہنسی کی آواز نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے اس نے زور سے سامنے والے بستر کی طرف دیکھا جہاں روشی سو رہی تھی مارے حیرت کے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا روشی تکیے سے ٹیک لگائے موبائل کانوں سے چپکائے نہ جانے کس سے محوِ گفتگو تھی ماریہ نے سر سے پاؤں تک چادر تان لی وہ سونے کی اداکاری کر رہی تھی لیکن اس کے کان روشی کی گفتگو کی طرف متوجہ تھے۔ ابھی تک اسے ماریہ کے جاگنے کا علم نہ ہوا تھا ماریہ نے بغور سننا چاہا لیکن اب خاموشی تھی۔ ماریہ نے چادر کی اوٹ سے جھانکا وہ اب دوسری طرف کروٹ لے کر شاید بات ختم کر چکی تھی اور سونے لگی تھی ماریہ کو بقیہ ساری رات نیند نہیں آئی ایک تو اتنا خطرناک خواب تھا کہ ابھی بھی سوچتی تو مارے خوف کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ پھر موبائل پر بات کرتے ہوئے روشی کی ہنسی یاد آتی تو غصہ اور شرم کی وجہ سے دل چاہتا اس کا گلا دبا دے وہ اپنا سر بازوؤں میں چھپائے اس طوطے کی طرح بیٹھی تھی جو بلی کو قریب پا کر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے گویا وہ بلی کے خطرناک شکنجے سے بچ جائے گا لیکن کیا وہ آنکھیں بند کرنے سے بلی سے اپنی جان بچا سکتا ہے؟ اس نے ایک آہ بھری۔

روشی اطمینان سے اپنے بستر پر لیٹی سو رہی تھی۔ وہ اس کے قریب آ گئی سوتے وقت وہ کس قدر خوبصورت لگ رہی تھی اس کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ کھیل رہی تھی جیسے کھلا ہوا گلاب ''کاش یہ گلاب کسی بے درد کے ہاتھ لگنے سے بچ جائے۔'' اس نے آزردہ ہو کر سوچا۔

''میں بچاؤں گی میں روشی کو تباہ ہونے نہ دوں گی۔''

اس نے دل میں پکا ارادہ کر لیا ''لیکن کیسے'' وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔

☆.....☆.....☆

دن کے گیارہ بجے تھے ماریہ فون ملا رہی تھی۔

''ہیلو ماموں میں ماریہ بات کر رہی ہوں۔''

جی بالکل خیرت سے ہوں اور نانی امی کی طبیعت کیسی ہے؟

''جی گھر میں بالکل خیریت ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''جی میں امی سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔''

''جی امی میں ماریہ بات کر رہی ہوں۔''

''جی سب ٹھیک ہے بابا بھی ٹھیک ہیں خیریت سے ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں بس یہ بتائیں گھر کب تک واپس آئیں گی۔''

''نہیں نہیں کوئی مسئلہ نہیں بس یہ بتائیں آپ کب تک گھر واپس آئیں گی۔''

''بس میں آپ کو مس کر رہی ہوں۔'' ماریہ نے منہ بسورا۔

''بس آپ جلدی سے آ جائیں۔'' وہ ضد کر رہی تھی۔

''بس میرا آپ کے لئے دل چاہ رہا ہے۔'' وہ ٹھنکی۔

''کیا! پرسوں تک تھینک یو امی۔'' وہ کھلکھلا رہی تھی۔

فون رکھ کر اس نے سامنے دیکھا روشی اس کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا بات ہے ماریہ کیوں تنگ کر رہی ہو امی کو۔''

اس کے انداز میں عجیب سی سختی تھی۔

''تنگ؟ میں نے کب تنگ کیا ہے امی کو۔'' ماریہ نے تیز لہجے میں کہا۔

''پھر کیوں بلایا ہے امی کو اگر کوئی مسئلہ تھا تو مجھ سے کہتیں تم کو پتا

ہے امی نانی کے ہاں کتنے عرصے بعد گئی ہیں اب ہم لوگ بڑے ہو گئے ہیں تم کو اس طرح فون نہیں کرنا چاہیے تھا امی پریشان ہوں گی۔'' روشی بہت مدبرانہ انداز میں سمجھا رہی تھی۔

''امی کو اب آ جانا چاہیے۔'' ماریہ رک رک کر بول رہی تھی ایک ماہ ہو گیا امی کو گئے ہو۔'' وہ دھیمے سروں میں بڑبڑا رہی تھی۔''تم ٹھیک کہتی ہو اب ہم بڑے ہو گئے ہیں۔'' وہ خاموش ہو کر روشی کو تکنے لگی۔

روشی اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکی اور مڑ گئی۔

شام ہو گئی ماریہ چپ چاپ بیٹھی تھی روشی اس خاموش سے زیادہ اس کی بولتی نظروں سے تنگ آ گئی تھی اس کی نظریں کسی ہو گئی تھیں گھورتی، جانچتی، پرکھتی، خفا خفا، دونوں کے درمیان معنی خیز خاموشی طاری تھی۔

''ماریہ تم چپ کیوں ہو؟'' روشی نے خاموشی سے گھبرا کر سوال کیا۔

''کل رات میں نے بڑا خوفناک خواب دیکھا۔''

''کیوں کیا دیکھا ہے'' روشی اس کے قریب آ گئی۔

''مجھ کو ساری رات نیند نہیں آئی۔'' ماریہ نے انکشاف کیا۔

''کیا تم ساری رات جاگتی رہیں۔'' روشی ایک دم پریشان ہو گئی۔اور اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

''کیوں تم کیوں گھبرا گئیں۔'' ماریہ نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

''میں کچھ نہیں۔'' روشی خائف ہو گئی۔

ماریہ نے اس کی طرف نظریں جما دیں۔''میں نے دیکھا ایک خوفناک سانپ تمہاری طرف بڑھ رہا ہے روشی میں سچ کہہ رہی ہوں بہت ڈر گئی تھی کہ کہیں وہ تم کو کاٹ نہ لے۔'' ماریہ نے خوف سے جھرجھری لے کر کہا۔

روشی چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی اچانک دروازے کی گھنٹی بجی اور ماحول پر چھائی ہوئی بھید بھری خاموشی اچانک ٹوٹ گئی۔ ماریہ اٹھ کر دروازے کی طرف چل دی.....

''روشی میں تمہارا ریڈ والا جوڑا پہن لوں جو تم نے پچھلی عید پر بنوایا تھا۔'' ماریہ روشی سے مخاطب تھی۔

''کیوں تم کو کہاں جانا ہے۔''

''کل ہمارے کالج میں فیرویل پارٹی ہے میں نے تم کو بتایا تھا ناں۔بھول گئیں۔''

''ہاں مجھے یاد ہے۔'' روشی نہ جانے کیا سوچ رہی تھی سیدھی ہو کر بیٹھی گئی۔''پہن لو ویسے میرا پنک والا جوڑا بھی اچھا ہے۔''

''اچھا میں دیکھتی ہوں۔'' ماریہ روشی کی الماری کی طرف بڑھ گئی۔

''خبردار! میری الماری کو ہاتھ نہ لگانا۔'' روشی چلا کر بولی لیکن اس سے پہلے ہی ماریہ اس کی الماری کو کھول چکی تھی۔

''کیوں کیا تمہاری الماری میں ہیرے جواہرات رکھے ہیں؟''

ماریہ پر روشی کے چلانے کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔

ارے یہ کیا؟ ماریہ حیران ہو کر روشی کی طرف مڑ گئی جس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

اب ماریہ الماری کے اندر سے ایک بے حد خوبصورت ہینڈ بیگ باہر نکال رہی تھی۔''یہ کہاں سے آیا تمہارے پاس۔''

تمہیں کیا؟ روشی ماریہ کی طرف جھپٹی میں نے تمہیں منع کیا تھا ناں میری الماری کو ہاتھ مت لگانا۔

اس سے پہلے ہی ماریہ بیگ کے پیچھے رکھی انتہائی خوبصورت میک اپ کٹ کو ہاتھ میں لے کر بغور دیکھ رہی تھی اس کے ساتھ ہی ایک قیمتی پرفیوم کی بوتل رکھی تھی۔

''یہ یہ سب کیا ہے'' ماریہ ہکلا کر بولی۔

''کچھ نہیں روشی جھنجھلا گئی۔''تمہیں کیا تم اپنے کام سے کام رکھو۔''

''لیکن پھر بھی مجھ کو پتہ تو چلے۔'' ماریہ کے لہجے میں تجسس تھا''یہ سب کہاں سے آیا ہے۔''

میری دوستوں نے گفٹ دیئے ہیں۔

''لیکن کیوں؟'' اتنے قیمتی گفٹ تمہاری دوستوں نے کیوں

دیئے ہیں۔'' ماریہ جرح کرنے لگی۔

''زیادہ نانی اماں مت بنو۔بس دے دیئے۔''

ماریہ چپ چاپ روشی کو تکنے لگی روشی اسے نظریں چرا رہی تھی۔

''امی آپ کو اب آ جانا چاہیے جلد از جلد'' ماریہ کے دل نے سرگوشی کی اس سے پہلے کہ حالات قابو سے باہر ہو جائیں اور معاملہ سنبھل نہ سکے۔

رات کو امی کا فون آ گیا روشی نے ریسیو کیا۔

''ہیلو ہاں بیٹا گھر میں سب خیریت ہے ناں تم ماریہ بات کر رہی ہو۔''

''نہیں امی میں روشی ہوں۔'' روشی نے ہنس کر کہا۔

روشی اور ماریہ کی آواز فون پر بے حد ملتی ہوئی لگتی تھی قریبی رشتہ دار بھی پہچان نہ پاتے تھے کہ ماریہ ہے یا روشی، جس کی وجہ سے کئی لطیفے ہو چکے تھے کبھی روشی کی دوست کا فون آیا اور ماریہ نے بات کر لی اور اس کو علم بھی نہ ہو سکا بعد میں ماریہ خوب ہنسی، اس وقت روشی امی سے فون پر بات کر رہی تھی امی بتا رہی تھیں کہ ابھی انہیں ایک ہفتہ لگے گا روشی نے بات کر کے فون بند کر دیا۔

کیا ہوا روشی؟ ماریہ نے بے چینی سے پوچھا ''کب آئیں گی امی؟''

نانی جان کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟

ہاں ہاں نانی جان کی طبیعت تو ٹھیک ہے لیکن افتخار ماموں کی بیٹی رانیہ کی بات پکی ہو گئی ہے اب امی ایک ہفتہ بعد منگنی میں شرکت کر کے ہی واپس آئیں گی۔''

اوہ! ماریہ کے منہ سے نکلا۔

دراصل روشی اور ماریہ کی نانی جان کی طبیعت پچھلے دنوں ناساز تھی۔لہٰذا امی ان کے پاس اسلام آباد گئی ہوئی تھیں یہ دونوں اپنی پڑھائی کی وجہ سے نہ جا سکی تھیں۔بابا اپنی کاروباری مصروفیت کی وجہ سے نہ جا سکتے تھے وہ صبح کو گئے رات کو ہی واپس آتے تھے۔

☆.....☆.....☆

امی اسلام آباد سے واپس آ چکی تھیں۔

روشی باتھ روم میں تھی اس کے موبائل پر مستقل بیل ہو رہی تھی ماریہ نے موبائل اٹھایا اور دیکھنے لگی پتہ نہیں کس کا فون تھا ''A کالنگ'' لکھا دیکھ کر وہ ٹھٹھک سی گئی اس نے چور نظروں سے باتھ روم کی طرف دیکھا وہاں سے پانی بہنے کی آواز آ رہی تھی اس کا مطلب تھا وہ نہا رہی ہے اس نے فوری اور بروقت فیصلہ کیا چونکہ اس کی اور روشی کی آواز بے حد ملتی تھی لہٰذا اس نے فائدہ اٹھانے کا سوچا اور موبائل اٹھا کر ٹیرس پر چلی آئی اور کمرے میں کھلنے والا دروازہ اندر سے بند کر دیا اچانک کالی آنی بند ہو گئی۔

''اوہ شٹ'' ایک دم ماریہ کے منہ سے نکلا وہ مایوس سی موبائل کو دیکھ رہی تھی۔اچانک پھر بیل بجنے لگی اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

''ہیلو السلام علیکم!'' اس نے دھیرے سے کہا اس کا دل دھڑک رہا تھا ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔دوسری طرف اسے روشی ہی سمجھا گیا۔

''ہیلو ہاں روشی میری جان کیسی ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں۔''

''پھر ایسے کیوں بات کر رہی ہو جانِ من'' وہ ذرا ترنگ میں بول رہا تھا۔

''کیا کچھ ناراضگی ہے مجھ سے۔''

ماریہ کے کان کی لویں سرخ ہو گئیں۔

''دراصل میں آپ سے ایک بات صاف صاف کرنا چاہتی ہوں۔''

ماریہ دوٹوک انداز میں بولی۔

''بولو کیا بات ہے'' اب وہ بھی ذرا سنجیدہ ہو کر بولا۔

''کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے۔''

اس کو شاک سا لگا تھا شاید ''کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے اگر آپ کے دل میں میری محبت ہے تو آپ مجھ سے شادی کر لیں اور جلد از جلد رشتہ بھیج دیں۔

''تم کو کیا ہو گیا یار'' وہ پریشان سا ہو گیا۔

''آپ میری بات کا جواب دیں۔''

''شادی تو میں تم سے نہیں کر سکتا کیونکہ میری تو کزن سے منگنی ہو چکی ہے۔'' اس کا انداز رکھا سا ہو گیا تھا۔

''پھر آپ مجھے کیوں فون کرتے ہیں۔'' ماریہ نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔

''کیونکہ آپ میری دوست ہیں میں فون کرتا ہوں تو آپ ریسیو کیوں کرتی ہیں؟ بات کیوں کرتی ہیں؟'' وہ ذرا طنزیہ لہجے میں بولا۔

''میری غلطی تھی کہ آپ جیسے فلرٹی اور دھوکے باز کو اپنا سمجھ بیٹھی'' ماریہ نے نفرت بھرے لہجے میں کہا آئندہ مجھ کو فون مت کیجئے گا۔ بڑی مہربانی ہو گی۔

''آپ سنجیدہ ہیں؟ آپ کو یقین ہے کہ آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں سنجیدگی سے کہہ رہی ہیں۔'' دوسری طرف سے وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

''میں سیریس ہوں'' ماریہ نے چبا چبا کر کہا۔

دوسری طرف سے کال ڈراپ ہو گئی۔ ماری حیرت سے ٹوں ٹوں کی آواز سن رہی تھی اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ اس نے کتنا بڑا معرکہ تنہا ہی سر کر لیا تھا وہ دبے قدموں ٹیرس سے کمرے میں پہنچی موبائل کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

☆.....☆.....☆

ماریہ چپ چاپ آنکھیں موندے پڑی تھی اور کن انکھیوں سے روشی کی طرف دیکھ رہی تھی جو کہ مستقل کمرے میں ٹہل رہی تھی ''روشی تم سو کیوں نہیں جاتیں۔'' ماریہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ پتہ نہیں روشی کی آواز بھرا رہی تھی ''مجھ کو سکون نہیں آتا مجھ کو نیند نہیں آتی ایک بے چینی ہے۔ میرے لئے دعا کرو مجھے سکون مل جائے۔'' اب وہ زور زور سے رو رہی تھی۔ ''تم کو سب پتہ ہے ماریہ تم کو سب معلوم ہے۔''

''مجھ کو کیا معلوم ہے؟'' ماریہ نے پرسکون لہجے میں کہا جب تم نے مجھ کو اپنا سمجھا ہی نہیں۔''

''تم تم'' روشی اچانک چپ ہو کر ماریہ کو تکنے لگی ''تم نے ہی کچھ کہا ہے مجھے یقین ہے تم ہی میری زندگی میں زہر گھولنے والی ہو، آستین کی سانپ، میری خوشیوں کی قاتل، تم نے ہی دن دھاڑے میری خوشیوں پر شب خون مارا ہے میری آنکھوں سے خواب نوچ ڈالے'' اب وہ چلا چلا کر رو رہی تھی۔

''روشی چپ ہو جاؤ میری بہن۔'' ماریہ نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا مبادا اس کے رونے کی آواز باہر جائے اور امی بابا پریشان ہو جائیں۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی ''تم نے مجھے تباہ کر دیا میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' ماریہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کیا روشی کو پتہ چل گیا ہے اس نے اپنے دل میں سوچا۔

''تم کو پتہ ہے تم نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ روشی اس کے قریب آ گئی تم نے مجھ سے شاہ عالم کو چھین لیا ہے۔''

''میں نے؟'' ماریہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ کہتا ہے!'' روشی نے ایک سسکی بھری ''وہ کہتا ہے کہ میری اپنی بہن سے سیٹنگ کرا دو۔''

کیا؟ ماریہ ہکا بکا رہ گئی اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا وہ مجھ سے بات نہیں کرتا'' ماریہ میں مر جاؤں گی اس کے بغیر روشی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی وہ مجھ کو نہیں چاہتا وہ تم کو پسند کرتا ہے۔''

ماریہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا وہ آنکھیں پھاڑے بے یقینی سے روشی کو دیکھ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

روشی کی حالت دن بدن گرتی جا رہی تھی ہر وقت رونا دھونا، اداسی پریشانی امی بھی اس کی دیوانوں جیسی حالت دیکھ کر بہت پریشان تھیں اس کی عجیب حالت ہو گئی تھی بس چپ چاپ لیٹی دیواروں کو تکتی رہتی کبھی ماریہ کے پیچھے پڑ جاتی۔ اپنی حالت کا ذمہ دار ماریہ کو ٹھہراتی اس کو کبھی معاف نہ کرنے کا عزم کرتی اور کبھی بدلہ لینے کی بات کرتی۔

آخر کار ماریہ نے امی کو اعتماد میں لے کر ساری بات بتا دی امی کی

تو حالت بگڑنے لگی بے انتہا پریشان ہوگئیں۔

''یہ کیا ہوگیا یہ کیا ہونے والا ہے؟'' وہ بے چینی سے اپنے ہاتھ مل رہی تھیں۔امی آپ پریشان مت ہو' ماریہ نے امی کو تسلی دی میرا خیال ہے روشی کی جلد از جلد شادی کر دی جائے۔

''شادی!'' امی کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے ''تم کیا سمجھتی ہو یہ اتنا آسان ہے یا خدا میں کیا کروں اے اللہ میری بچی کو بچالے اس کی عزت محفوظ رکھنا اس کو اپنی امان میں رکھنا'' امی دعا مانگ رہی تھیں اور دعا مانگتے مانگتے چکرا کر گر سی گئیں ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں وہ اس صدمے کو برداشت نہ کر پائی تھیں۔

☆.....☆.....☆

آج روشی کی شادی تھی چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا جیسے جیسے شادی کے دن قریب آتے گئے روشی کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی وہ ماریہ اور امی سے سخت خفا تھی۔

''دوست کے روپ میں دشمن ہیں آپ لوگ۔''

وہ برملا کہتی۔

''آپ نے شب خون مارا ہے پیٹھ پیچھے وار کیا ہے میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

امی دن رات عزت کے ساتھ اس کی رخصتی کی دعائیں مانگتیں۔

''میں چلی جاؤں گی تو پھر کبھی واپس نہ آؤں گی۔'' وہ چنگھاڑ کر کہتی۔اور وہ اپنے کہے کی پکی اور قول کی سچی نکلی اس نے اپنے میکے کی دہلیز پر قدم نہ رکھا قدرت نے بھی اس کا ساتھ دیا اس کے میاں کا تبادلہ دوسرے شہر ہوگیا۔پھر امی اور بابا کا انتقال ہوگیا اور ماریہ بیاہ کر کینیڈا جا بسی۔

☆.....☆.....☆

میں روشی ہوں میں نے زندگی میں بہت سی خوشیاں اور محبتیں حاصل کیں کامیابیوں نے میرے قدم چومے۔جو چاہا پا لیا۔لیکن پھر مجھے زندگی میں ایک بڑی شکست کا سامنا کرنا پڑا مجھے ایک ایسے شخص کی محبت ملی جو لفظوں کا جادوگر تھا جس نے مجھ کو مجھ سے روشناس کرایا میں مغرور ہوگئی اپنے ہی عشق میں مبتلا ہوگئی پھر اچانک جیسے کسی بادشاہ کا تختہ ایک دم الٹ جانے یا کسی بے گناہ کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔کیسا اذیت ناک تھا جب وہ مجھ سے میری بہن کا مطالبہ کرنے لگا اچانک میری بہن کی آواز اور انداز نے اسے مجھ سے بے پروا کر دیا اور میں ٹوٹ پھوٹ گئی اپنی اس بہن سے ہار گئی جو مجھ سے کسی معاملے میں بھی آگے نہ تھی میں تڑپتی رہی لیکن وہ حسین، خوبصورت اور سحر انگیز گفتگو کرنے والا مجھ سے روٹھ گیا جب مجھے ادراک ہوا کہ اس میں ماریہ کا ہاتھ ہے جس کی پشت پناہی میری ماں کر رہی تھی تو میں اپنی ماں اور بہن سے بے تحاشا نفرت کرنے لگی اور اس نفرت اور انتقام کا سفر طے کرتے کرتے برسوں بیت گئے میری ماں اس دنیا سے رخصت ہوگئیں بہن کینیڈا جا بسی سالوں سے میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن آج میری سولہ سالہ بیٹی ہاتھ میں انگارہ لینے اور اس سے کھیلنے پر مصر ہے تو میں حیران ہوں کہ اسے کیسے بچاؤں کہ یہ تو ایسی آگ ہے جو اس کا تن من جلانے کے ساتھ ساتھ میرا گھر بھی جلا کر راکھ کر دے گی۔سوچتی ہوں کہ کیا میری ماں کی روح میرے اندر سرائیت کر گئی ہے آخر میری روشن خیالی بھاپ بن کر کیسے اڑ گئی ہے۔کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟۔

☆.....☆.....☆

عظمیٰ ابونصر صدیقی

پہچان

''ہمارے یہاں انڈین اسٹائل کے ملبوسات کی بہترین اور مکمل ورائٹی دستیاب ہے۔ پریناز''

میں نے فخریہ انداز میں اپنے شاندار بوتیک کے آگے لگے بینر کو دیکھا اور قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے۔

''جی فرح پبلسٹی کی کیا صورتحال ہے؟'' اندر کاؤنٹر پر موجود میری اسسٹنٹ مجھے آتا دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔

''میم آپ فکر ہی نہ کریں پبلسٹی بہت شاندار ہوتی ہے آپ دیکھئے گا دھوم مچ جائے گی بہت سارے لوگ تو ابھی سے ایڈوانس بکنگ کروانے کو تیار ہیں صرف سائن بورڈز ہی دیکھ کر.....اس کے علاوہ ٹی وی چینلز کے اشتہارات اور علیحدہ سے بانٹے گئے پمفلٹ نے بھی لوگوں کو کافی آمادہ کیا ہے، آپ فکر ہی نہ کریں۔'' میرے پوچھنے پر فرح نے تفصیل سے جواب دیا۔

''اور میم سوہا سے بات ہوگئی؟ کیا کہہ رہی ہیں؟ افتتاح کے لئے آئیں گی ناں؟'' میں نے ایک ہی ساتھ تین سوالات پوچھ ڈالے اور ساتھ ہی سامنے موجود قد آدم آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔

''جی میم میری بات ہوگئی ہے، مگر آپ جانتی ہیں وہ انڈیا کی سپر ایکٹریس ہیں آپ خود بھی بات کرلیں تو اچھا ہوگا۔'' فرح ستائشی نظروں سے میری اس انڈین ساڑھی کو دیکھ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے تم فون ملاؤ۔'' فرح میرے کہنے پر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

آج ''پریناز'' کے آگے خوب رش تھا، انڈیا کی مشہور و معروف ایکٹرس کے ہاتھوں افتتاح ہونا کوئی معمولی بات تھوڑی تھی۔ اوپر سے میری بوتیک کے ڈیزائن کردہ لباس نے جو کہ ان کے جسم پر جا کر خوب سج گیا تھا، میڈیا میں بھی خوب دھوم مچا دی تھی میری ساتھی ڈیزائنرز رشک و حسد سے مجھے دیکھ رہی تھیں، بوتیک میں جگہ جگہ مختلف ماڈلز کھڑی ان انڈین ملبوسات کو زیب تن کئے کسی فلمی اسٹارز سے کم نہیں لگ رہی تھیں اور وہ لباس کیا تھے؟ لباس سے زیادہ ان ماڈلز کے چمکتے اور چھلکتے ہوئے جسم کا کمال تھا جو ہر ایک کو اپنی جانب متوجہ کر رہے تھے۔

اسی اثناء میں ایک نجی چینل کا نمائندہ میری جانب انٹرویو کی غرض سے بڑھا اور اس کے ساتھ ہی کچھ اور چینلز کے افراد بھی کیمرے لے کر میرے اردگرد جمع ہوگئے۔

انڈیا اسٹائل کی ساڑھی اور قدرے چھوٹے سے بلاؤز میں ملبوس میری گردن فخر سے کچھ اور اونچی ہوگئی۔

''میم آپ سے کچھ سوالات پوچھنے ہیں۔''

''جی جی بالکل''..... میں نے بالوں کو سنوارتے ہوئے جواب دیا۔

سب ہی باری باری میری اس بوتیک اور آئیڈیاز کے متعلق سوالات پوچھتے رہے اور میں جواب دیتی رہی کہ اچانک ایک عجیب سا سوال نجانے کس نے کیا؟

''میم آپ کا تعلق انڈیا کے کس شہر سے ہے؟''

میں نے نظروں میں ہی اس شخص کو تلاش کیا اور خوب گھورتے ہوئے کہا ''کیا مطلب.....؟''

میں پاکستانی ہوں اور اسی شہر سے تعلق ہے۔''

''اوا چھا.....میم ایک سوال اور.....؟''

''پچھلے دنوں انڈیا پاکستان کرکٹ میچ میں پاکستان کی زبردست جیت پر آپ نے مٹھائی بھی تقسیم کی تھی، آپ کی اس خبر کی کوریج بھی میں

نے کی تھی۔''

''جی جی..... پاکستان میری جان ہے اور اس کی جیت ہم سب کی جیت ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔

''جی میم میرا سوال یہ ہے کہ ایک طرف تو آپ ایک محبّ وطن ہونے کا دعویٰ کر رہی ہیں اور دوسری طرف اپنے ازلی دشمن انڈیا کی ثقافت کی پبلسٹی کر رہی ہیں یہاں تک کہ ان کے ڈیزائنز کو مزید فروغ دینے کے لئے آپ نے افتتاح بھی ان ہی کے فلمسٹار سے کروایا ہے، آپ اس حب الوطنی کے بارے میں کیا کہیں گی؟''

میرے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔ مجھے اس سوال کی ہرگز توقع نہیں تھی۔

ایکسکیوزمی..... مجھے کچھ مزید مہمانوں کو دیکھنا ہے۔'' اب مجھ سے کوئی جواب نہ بَن پڑا تو میں نے فرار حاصل کرنی چاہی۔

''میم ایک بات سنتی جایئے..... پاکستان کی سرحدوں کا دفاع ہماری آرمی بخوبی کر رہی ہے لیکن اس کی نظریاتی وثقافتی سرحدوں کا دفاع ہمیں کرنا ہے، مجھے اور آپ کو۔ نجانے کون خبطی شخص ہے! میرے ایک اشارے پر بوتیک کی حفاظت کے لیے کھڑے گارڈز اس آدمی کو باہر کی جانب لے گئے۔

اور میں نے اس کے جاتے ہی لمبی سی سانس لی..... یہ لوگ بھی ناں!

بالآخر آج کی تقریب مزید کسی بدمزگی کے بغیر ایک خوبصورت سے میوزیکل شو پر ختم ہوئی۔

نجانے یہ رات کا کونسا پہر تھا؟ اتنی سردی اور خنکی کے باوجود میرا جسم اس وقت پسینے میں شرابور تھا میں نے جلدی سے گلے میں پانی انڈیلا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

ایک خواب تھا جس کے مختلف مناظر دماغ میں جیسے جھماکے کر رہے تھے، یہ میری دادی کی سنائی ہوئی ایک سچی کہانی تھی جو آج میں نے بند آنکھوں سے اپنے لاشعور میں دیکھی۔

یہ سب کیا تھا؟ میری دادی چیخ رہی ہیں کوئی ان کے سر سے چادر کھینچ رہا ہے..... قریب ہی میرے دادا اور تایا کے لہولہان مردہ جسم پڑے ہیں، ایک ننھا بچہ مسلسل اپنی ماں کے سر کی چادر بچانے کے لیے چیخ رہا ہے، اسی اثناء میں اندر سے ایک گیارہ سالہ بچی دوڑتی ہوئی آئی، اس سے قبل کہ وہ اپنی ماں کی پناہ لیتی وہ ان وحشی ہندو درندوں کے ہاتھ لگ گئی اور پھر ان خون آشام درندوں نے اس کی ماں کے سامنے اس کا وہ حشر کیا کہ ماں چیخ چیخ کر صدمے سے بے ہوش ہوگئی اور وہ بچہ ڈر کر گھر کے کسی کونے میں چھپ گیا۔ اس کی سسکیوں کی آواز اب بھی اس کے کانوں میں آ رہی تھی مگر نہیں یہ تو خود میری سسکیاں تھیں، میرا پورا وجود لرز رہا تھا، یوں لگتا تھا کہ اب میری باری ہے میں آنکھیں بند کرتی تو مجھے آگ اور خون کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا میں نے کئی بار سر کو جھٹکا لیکن بے سود.....

آخر کیوں..... آج اتنے عرصے بعد یہ سب کیوں میرے خواب میں آ رہا ہے؟ اسے جلد ہی اس بات کا جواب بھی مل گیا، شاید یہ آگہی کا لمحہ تھا؟ شاید وہ آدمی مجھے سیدھا راستہ دکھانے کے لئے ہی آیا تھا۔

اور دوسری صبح دیکھنے والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ''پریناز'' ''عارضی طور بند ہے۔'' کے بورڈ کے ساتھ ہی ایک بڑا سا بینر بھی لگا ہوا تھا۔

''انشاءاللہ یکم جنوری سے ہمارے یہاں پاکستانی ساتر ملبوسات کی بہترین ورائٹی دستیاب ہوگی۔''

اپنی ثقافت کو فروغ دیجئے، نظریہ پاکستان کا دفاع کیجئے۔

☆.....☆.....☆

ہمارے بزرگ ہمارا سرمایہ

آجا.....آ.....آجا کی آواز کان میں گونج رہی ہے ماں بچے کو چلنا سکھا رہی ہے وہ دو قدم چلتا ہے تو ماں خوشی سے پھولے نہیں سماتی لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے تو اپنی انگلیاں پکڑا کر چلنے پر آمادہ کرتی ہے یہ دلچسپ منظر مجھے کہیں دور لے جاتا ہے.....کتنی مرتبہ کہا ہے اماں کو ساتھ مت لایا کرو دیکھو پھر پیچھے رہ گئیں میاں کی ڈپٹ اور بیگم گھگیاتے ہوئے۔ ہاں تو پھر ان کو شکایت ہوتی ہے مجھے کمرے میں ڈال دیا باہر کی دنیا سے میرا کوئی ناطہ نہیں پڑے رہو چھت تکتے رہو۔ دونوں مناظر میری نظروں میں پھر گئے سوچنے لگی بڑے بوڑھوں کو اپاہج سمجھ کر گھر کے کسی کونے میں ڈال دینے کا انداز غلط ہے ان کے محسوسات اور جذبات کو نظر انداز کر دینا ان کے لئے باعث اذیت ہے محلے اور برادری میں رابطے رکھنے سے تنہائی کے تکلیف دہ احساس سے نجات پائیں گے۔ دوسروں کے دکھ سکھ میں شریک ہونے سے متحرک ہوں گے اور ذہن اور جسم توانائی پائیں گے۔ گھر والوں کے لئے بھی یہ باعث اطمینان ہوگا کہ چوبیس گھنٹے ہمارا ان سے رشتہ بیمار اور تیماردار کا نہیں بلکہ ایک بہترین معاون اور ساتھی کا ہے۔

''اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو نہ ان کو جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو۔ پروردگار ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے رحمت اور شفقت سے بچپن میں مجھے پالا تھا۔'' (بنی اسرائیل ص ۲۴،۲۳)

گھر کے معمولات میں بزرگوں کو شامل کرنا اور گھر میں اپنی معمومی بیٹھک میں ان کی موجودگی لازمی بنانا۔ دستر خوان پر ان کے ہمراہ کھانا کھانا، گھریلو سرگرمیوں میں ان کی تجویز اور تنقید کو قابل توجہ جاننا ہمارے لئے باعث خیر و بھلائی ہے۔ ان کے تجربات سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں ہماری تھوڑی سی توجہ انہیں شاداں و فرحاں رکھے گی۔ بیماری کی وجہ سے جھنجھلاہٹ کا شکار ہونے سے پریشان نہ ہوں صبر و تحمل سے ان کی اس کیفیت کو برداشت کریں اور ان کے مسئلے کو فی الوقت اگر حل کر سکتے ہوں تو بہت اچھا ورنہ ان کی توجہ بیماری سے ہٹانے کی کوششیں کریں مناسب دلجوئی اور تیمارداری سے بیماری کا اسی فیصد۔ حساس جاتا رہے گا مریض پُرسکون ہو جائے گا۔ اولاد کا والدین کی طرف توجہ نہ کرنا یا سرے سے نظر انداز کئے رہنا والدین کے لئے باعثِ اذیت ہوتا ہے۔ عموماً مرد دن بھر کی تھکاوٹ کا احساس لئے ہوئے گھر میں داخل ہوتے ہیں اگر بیٹے ماں باپ کو دور سے ہی السلام علیکم کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے جائیں تو والدین نالاں ہوتے ہیں۔ بیٹوں کو چاہیے کہ قریب آئیں پاس بیٹھ کر ہاتھ میں ہاتھ لے کر محبت کا اظہار کرتے ہوئے خیریت دریافت کریں۔ ماں باپ کی دعائیں سمیٹیں دن بھر کی تھکاوٹ دور ہو جائے گی والدین خوش ہوں گے تو اللہ بھی خوش ہوگا دنیا میں بھی راحتیں ملیں گی اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں گے۔ باپ راضی تو رب راضی باپ ناراض تو رب ناراض۔

''ماں کے قدموں تلے جنت ہے'' پیارے نبیؐ کا فرمان ہے۔ ماں باپ سے نرم خوئی سے پیش آنے کو رب نے فرمایا ہے ''اُف تک نہ کہو'' یہ ''اُف'' چہرے کے تاثر سے ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔ والدین تو اولاد کا چہرہ پڑھ لیتے ہیں فکرمندی، پریشانی کو بھانپ لیتے ہیں۔ کبھی ہاتھ اُٹھا کر کبھی دل ہی دل میں اُٹھتے بیٹھتے یہ ہمارے بزرگ ہمارے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ ہماری خوشیاں ان کی خوشیاں ہیں اور ہمارے غم ان کے غم ہیں۔ دنیا میں اور کونسا ایسا رشتہ ہے جو اس قدر چاہت رکھتا ہے۔

اتنی محبت کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ماں باپ سے نیکی کرنے والا بیٹا جب نظر رحمت سے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھتا ہے تو خدا تعالیٰ (اُسکی) ہر نظر کے عوض اس کے لئے ایک مبرور حج کا ثواب لکھتا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ چاہے وہ ہر روز سو مرتبہ دیکھے حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں (چاہے ہر روز سو مرتبہ دیکھے) اللہ سب سے بڑا اور بہت پاکیزہ ہے۔ (مشکوٰۃ) اسلام نے والدین کی خدمت اور حسن سلوک پر بہت زور دیا ہے خدمت مالی اور جسمانی دونوں طرح سے ہوگی۔ اپنے وسائل کے مطابق دونوں طرح کی خدمات ادا کرنا ہم پر فرض ہے۔ ایک دفعہ کسی بیٹے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے باپ کی شکایت کی کہ رقم کا تقاضا کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا ''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے'' اللہ کی ذات کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن ہمارے والدین ہیں اس لئے وہ ہمارے حسنِ سلوک کے سب سے زیادہ مستحق ہیں ان کی خیر خواہی کرنا اور ادب اور احترام سے رہنا ہمارا دینی و اخلاقی فریضہ ہے۔

☆.....☆.....☆

آسیہ راشد

محترمہ شکورہ آفتاب صاحبہ

بانیٔ اسلامی جمعیت طالبات

متین، ذہین رسا، پروقار، شائستہ اور مہذب محترمہ شکورہ آفتاب صاحبہ حد درجے کی حلاوت، بردباری اور انکساری جیسے اوصاف اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ آپ کا شکر سے بھرپور لب ولہجہ آپ کی شخصیت کو اسم بامسمّیٰ ثابت کرتا ہے۔ آپ کا شمار اللہ تعالیٰ کے ان انعام یافتہ لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں وہ اپنے بندوں کی بھلائی کیلئے منتخب کر لیتا ہے۔ ان کاموں میں سرفہرست اسلامی جمعیت طالبات تشکیل پاتی ہے۔ بعدازاں دینی و دنیاوی علوم سے مزین جامعات المحصنات جیسی بہترین درسگاہیں وجود میں آتی ہیں۔ آپ جہانیاں کے چودھری نذیر احمد صاحب کی صاحبزادی ہیں جو ادارہ جامع العلوم ملتان کے بانی تھے اور جو خشیتِ الٰہی کے مناقب پر فائز دکھائی دیتے ہیں۔ آپ ان لوگوں میں شامل ہیں جن کی پیشانیاں نور سعادت سے درخشاں رہتی ہیں اور جو دنیاوی کامیابیوں کی بجائے اُخروی کامرانیوں کو اپنی ترجیحات بنا لیتے ہیں۔

نومبر 2014ء کے جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع میں خواتین کانفرنس میں محترمہ کو ''بانی اسلامی جمعیت طالبات'' کے طور پر ایوارڈ سے نوازا گیا۔ آیئے ان بے مثال خاتون سے ملتے ہیں۔

س۔ آپ کا نام اور سنِ پیدائش کیا ہے؟

ج۔ شکورہ آفتاب۔ نومبر 1942ء

س۔ اپنا خاندانی پس منظر، والدین اور بہن بھائیوں کے بارے میں بتائیں؟

ج۔ میرا تعلق ایک دینی، تحریکی اور متوسط خاندان سے ہے۔ میرے والد چودھری نذیر احمد نے جماعت اسلامی میں شمولیت قبل از قیام پاکستان اختیار کر لی تھی جب کہ وہ اس سے قبل ضلع حصار کے نائب تحصیلدار تھے۔ موصوف اس زمانے میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے ریاضی تھے جبکہ غیر منقسم ہندوستان میں خال خال مسلمان اعلیٰ تعلیم کے حامل ہوتے تھے۔ وہ حکیم محمد عبداللہ صاحب (روڑی والے) کی وساطت سے مولانا مودودی کے لٹریچر سے متعارف ہوئے جب انہوں نے سورۂ مائدہ کی آیات **من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون**..... والی آیات پڑھیں تو ان کے دل میں کھٹک پیدا ہوئی کہ ان کی ملازمت بحیثیت تحصیلدار جائز نہیں۔ کیونکہ انہیں انگریز کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے کرنے ہوتے تھے۔ اپنی اس ذہنی خلش کو دور کرنے کیلئے انہوں نے تین علماء، مولانا حسین احمد مدنیؒ (مہتمم دیو بند) مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو خطوط لکھے۔ مولانا حسین احمد مدنی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے انہیں نوکری نہ چھوڑنے اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ اس وقت مسلمانوں میں اتنے پڑھے لکھے اور اعلیٰ منصب رکھنے والے مسلمان بہت کم تھے۔ تاہم سید مودودیؒ نے یہ کہا کہ قرآن کریم کو پڑھنے اور اس کے معنی ومفہوم کو سمجھنے کے بعد مجھ سے مشورہ کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس پر انہوں نے اس نوکری سے استعفیٰ دے دیا جبکہ خاندان والوں اور دیگر لوگوں نے اس کی شدید مخالفت کی۔

پھر وہ جماعت اسلامی میں باقاعدہ شامل ہو گئے۔ تقسیم ہندوستان کے وقت انہوں نے بیکانیر کے راستے سے پیدل قافلوں کے ساتھ پاکستان کی طرف ہجرت اختیار کی اور ملتان کے قریب ایک قصبے جہانیاں میں آ کر قیام پذیر ہوئے پھر وہاں پر کاروبار کامیاب نہ ہونے پر ملتان منتقل ہو گئے اور وہاں ایک ٹیوشن سنٹر قائم کر لیا۔ اس کے بعد جماعت اسلامی نے ملتان میں ایک ایسی درسگاہ کے قیام کا منصوبہ بنایا جس میں دینی اور جدید علوم کی بیک وقت تعلیم دی جا سکے۔ مولانا کی نظر انتخاب ابا جان پر پڑی، اس طرح وہ جامع العلوم ڈگری کالج کے پرنسپل بنا دیئے گئے۔ اسی دوران مختلف اوقات میں

جماعت اسلامی پر پابندی لگنے اور اس کو کالعدم قرار دینے کی بنا پر دو مرتبہ گرفتار بھی ہوئے۔ اسی دور میں ملتان میں بچوں کی تعلیم کیلئے بہت سے پرائمری سکول کھولے اور اپنا وقت اور صلاحیت ان کو بنانے میں بھرپور طریقے سے لگا دی۔ لڑکیوں کے لئے بھی مدرسہ تعلیم البنات کے نام سے ایک ادارہ کھولا جسے کالج کی سطح تک لے جانے کا منصوبہ تھا۔ اس سکول کے لئے دارالاقامہ کا انتظام بھی کیا۔ مختلف شہروں سے طالبات اس درسگاہ میں آئیں۔ ان کی رہائش کا انتظام ہمارے گھر ہی کے اندر تھا۔ اسی ادارے سے اسلامی جمعیت طالبات کا آغاز بھی ہوا۔

ایوب خان کے دور میں جماعت اسلامی زیر عتاب رہی۔ بعد ازاں بھٹو کے دور میں ان تمام اداروں کو قومیا لیا گیا۔ اس طرح مدرسہ جامع العلوم کا نصف حصہ حکومت نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ جماعت اسلامی نے اس کو حاصل کرنے کے لئے مقدمہ دائر کر دیا عدالت میں ایک پیشی پر سرکاری حصہ کے ایک ہیڈ ماسٹر نے غلط بیانی کی تو اس پر آپ نے اس کو کہا کہ وہ دیانت داری کے ساتھ حقائق کو عدالت کے سامنے پیش کرے تا کہ عدالت کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس واقعہ کا آپ نے بہت اثر لیا۔ آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ بعد ازاں کچھ عرصہ گزرنے پر دماغی آپریشن کے دوران آپ انتقال کر گئے۔ اور مدرسہ جامع العلوم کے ایک کونے میں دفن ہوئے۔

میری والدہ کا انتقال ہندوستان ہی میں ہو گیا تھا اس وقت میری عمر چھ ماہ کی تھی۔ ہم تین بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ بعد ازاں والد صاحب کی دوسری شادی ہوئی جن سے چار بیٹیاں اور تین بیٹے ہوئے۔ والد صاحب نے ہم تمام بہن بھائیوں کو اعلیٰ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی بہت اہتمام سے دلوائی۔ انہوں نے عربی زبان اپنے تمام بچوں کو خود سکھائی۔ ان ہی کے شوق و ایما پر میں نے بی اے کا امتحان عربی کے ساتھ پاس کیا۔ والد صاحب نے خاص طور پر مجھے بی ایڈ کرنے کی ہدایت فرمائی، ان دنوں میں آپ سیاسی قیدی کی حیثیت سے جیل میں تھے۔

میری دوسری والدہ بھی اس زمانے کی میٹرک جے وی تھیں۔ وہ جماعت اسلامی کی رکن بھی تھیں۔ انہوں نے والد صاحب کے ساتھ پورا تعاون کرتے ہوئے ہم سب کی تربیت پر بہت توجہ دی۔ میرے سب بھائی بہنیں بھابیاں جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں۔

س۔ آپ کے گھر کا ماحول کیسا ہے؟

ج۔ ہمارے گھر کا ماحول الحمدللہ دینی تھا۔ نماز روزہ اور دیگر اسلامی شعائر کی پابندی کروائی جاتی تھی۔ والد صاحب فجر کی نماز گھر میں خود جماعت کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے۔ نماز کے بعد تفہیم القرآن کا مطالعہ کرواتے۔ کبھی خود پڑھ کر سناتے اور درس دیا کرتے تھے کھانا پینا، رہائش اور بود و باش نہایت سادہ تھی۔

س۔ اپنے بچپن کا کوئی یادگار واقعہ بتائیں؟

ج۔ اپنے بچپن کا کوئی یادگار واقعہ مجھے خود تو یاد نہیں۔ پاکستان بننے کے بعد میرے ساتھ گزرنے والا واقعہ جو بڑوں نے مجھے بتایا وہ میرے لئے بہت اہم ہے۔ وہ یہ کہ ہجرت کے وقت میں اپنے قافلے سے بچھڑ گئی تھی۔ دوسری جگہ پڑاؤ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ میں قافلے میں نہیں ہوں تو سب کو بہت پریشانی ہوئی۔ میری سب سے بڑی بہن جن کی عمر اس وقت سولہ سترہ سال تھی وہ رونے لگ گئیں اور انہوں نے زور دیا کہ واپس جا کر دیکھا جائے کہ پہلے پڑاؤ کی جگہ پر شاید میں پائی جاؤں۔ بہرحال جب لوگ مجھے ڈھونڈنے کے لئے واپس آئے تو مجھے جوں کا توں وہیں پر کھڑا ہوا پایا۔ میں سوچتی ہوں کہ خدانخواستہ اگر میں کسی ہندو کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ مجھے ہندو ہی بنا لیتے اور مجھے کچھ خبر نہ ہوتی۔ اس واقعہ کو یاد کر کے میں بار بار اللہ کریم کا شکر ادا کرتی ہوں۔ **توفنی مسلماً و الحقنی بالصلحین**o

س۔ اپنی تعلیمی قابلیت کے بارے میں بتائیں؟

ج۔ میری تعلیم ایم اے عربی، بی ایڈ ہے۔ میں نے ایم اے عربی شادی کے بعد کیا تھا جس میں میرے شوہر کا تعاون اور شوق بھی شامل ہے۔ میرے شوہر ان دنوں ملازمت کے سلسلے میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں تھے۔ میں نے اس دوران اپنی فراغت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایم اے کا امتحان پاس کر لیا تھا۔

س۔ اپنی شادی، شوہر، بچوں کے بارے میں بتائیں؟

ج۔ میری شادی 1970ء میں ایک دینی گھرانے میں ہوئی۔

میرے سسر مولانا اشرف علی تھانوی کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ اور ملتان میں مختلف دینی مدارس کے سالانہ اجتماعات میں نہ صرف خود بلکہ اپنی اہلیہ اور بچوں سمیت شریک ہوتے تھے۔ اس زمانے میں دیو بند فکر کے علما مولانا مودودی پر مختلف قسم کے اعتراضات کرتے تھے۔ لیکن جب میرے سسر نے مولانا مودودی کی کتاب خلافت وملوکیت کا ازخود مطالعہ کیا تو حقیقت ان پر واضح ہوئی اور جماعت اسلامی میں بطور ہمدرد شمولیت اختیار کر لی۔ پھر جماعت کے اجتماعات میں باقاعدگی سے شرکت کرتے۔ جماعت میں شمولیت کے بعد انہوں نے متعدد علما کو بڑے بڑے خطوط لکھے کہ وہ خدا سے ڈریں اور مولانا مودودی پر بے جا اعتراضات نہ کریں۔ سسرال میں مجھے دعوتی اور تحریکی کام کرنے میں کوئی مشکل یا رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ میرے شوہر ڈاکٹر آفتاب خان اینمل سائنسز میں پی ایچ ڈی ہیں اور زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر ریٹائر ہوئے ہیں۔ 1956ء میں اسلامی جمعیت طلبہ کے رکن بنے۔ طالب علمی کے دوران لاہور میں اپنے کالج سے روزانہ مولانا مودودی کی عصری نشستوں میں باقاعدگی سے شریک ہو کر فیضیاب ہوتے رہے۔ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں 1966ء میں طلبہ یونین کے صدر منتخب ہوئے جبکہ وہ ایم ایس سی کے طالب علم تھے۔ جوانی سے ہی پڑھنے کا بے انتہا شوق تھا۔ جواب تک جاری ہے۔ ایک درجن سے زائد پیشہ وارانہ کتب اردو اور انگریزی میں لکھیں جبکہ متعدد کتابیں سوشل سائنس کے مختلف پہلوؤں پر تحریر کیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے میری تین بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ سب شادی شدہ ہیں۔ دونوں بیٹے پی ایچ ڈی ایک بیٹی ایم ایس سی، ایک گائنا کالوجسٹ اور ایک بیٹی انگلش میں ڈاکٹریٹ کر رہی ہے اور گورنمنٹ کالج یونیورسٹی میں لیکچرار ہے۔

س۔ اسلامی جمعیت طالبات بنانے کا خیال کیسے آیا اور اسکی بنیاد کب رکھی گئی؟

ج۔ اسلامی جمعیت طالبات کا قیام کوئی نئی سوچ نہیں تھی۔ تحریکی اور جماعتی گھرانے میں ہی آنکھ کھولی تھی۔ اس سے قبل طالبات اور نوجوان لڑکیوں میں کام جماعت اسلامی ہی کے ساتھ مل کر کیا جا رہا تھا جبکہ جمعیت طلبہ کئی سالوں سے کام کر رہی تھی۔ طالبات میں کام کے لئے تنظیم کی ضرورت ہر طرف سے محسوس کی جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ قومی تاریخ کا ایک واقعہ بھی جمعیت کے قیام کا فوری محرک بنا۔ یہ اگست 1969ء کی بات ہے۔ جب نظام تعلیم کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کا مطالبہ حکومت کے ایوانوں کو لرزا گیا اور اسلامی نظام تعلیم کا نعرہ بلند کرنے والوں میں سے ایک شیدائی اسلام نے ڈھاکہ میں منعقدہ مذاکرے میں اُردو زبان کی حمایت میں تقریر کرنے کے جرم میں قوم پرست بنگالی طلبہ کے ہاتھوں شہادت پائی۔

اسلامی جمعیت طالبات کا اساسی اجلاس 21 ستمبر 1969ء کو تعلیم البنات انٹر کالج میں ہوا۔ جس میں کل 14 طالبات نے شرکت کی۔ سورۂ عصر کی روشنی میں قیام جمعیت کے اغراض و مقاصد سامنے رکھے گئے۔ جمعیت کے دستور کی رف کاپی تیار کر لی گئی تھی۔ پانچ طالبات نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کیا اور اللہ رب العالمین کو گواہ کر کے حلف اٹھایا کہ وہ اپنی زندگی کو قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں گی۔ نظامتِ اعلیٰ کی ذمہ داری مجھ کو سونپی گئی۔ میری معتمد سمیعہ فاطمہ کو بنایا گیا۔

س۔ جمعیت کی رکن بننے کیلئے کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟

ج۔ عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ فی زمانہ جمعیت کے رکنیت کے معیار پر اترنا اور دینی شعار کی اس طرح سے پابندی کرنا بہت دشوار ہے۔ حالانکہ جمعیت تمام مسلمان لڑکیوں سے صرف وہی مطالبات کرتی ہے جو ایک عام مسلمان لڑکی سے اس کا دین کم سے کم مطالبہ کرتا ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنی زندگی کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق گزارنے کا عہد کریں، دین کا فہم حاصل کر کے اس پر مقدور بھر خود بھی عمل کریں اور دوسروں تک بھی یہ دعوت پہنچائیں اگر غور کیا جائے تو یہ دین کا کم سے کم مطالبہ ہے جبکہ ہر مسلمان لڑکی کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ قرآن وحدیث اور اسلامی لٹریچر کا اتنا مطالعہ ضرور کرے کہ اسے صحیح اور غلط کا فرق معلوم ہو جائے۔ اور اس کو دین کے بنیادی اور ضروری مطالبات کا علم ہو سکے۔ جمعیت صرف اس ذمہ داری کو ایک شعوری احساس کی شکل دیتی ہے اور اجتماعیت کے ذریعے ان کی اس کام میں مدّ

و معاون ثابت ہوتی ہے۔ دین کے صحیح فہم کے ساتھ جب ایک فرد اجتماعیت میں شامل ہوجاتا ہے تو یہ کام یعنی دین پر عمل کرنا اس کے لئے مزید آسان ہوجاتا ہے اور جہاں تک مراحل کا تعلق ہے جمعیت کا تربیتی نظام کچھ ایسا ہے کہ کارکنان کے لئے ہفتہ وار، ماہانہ، تربیتی نشستیں، مختلف موضوعات پر گروپ ڈسکشنز، مذاکرات، شب بیداریاں، مطالعہ قرآن وحدیث، محاسبہ اور رپورٹ سسٹم کا اہتمام ان کی خفتہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے اور باعمل مسلمان بننے کے لئے ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ دین کا صحیح فہم ان کے اندر یہ جذبہ بھی پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے تعلیمی کیریئر کو بھی بہترین بنائیں۔ اور اپنی اہلیت اور صلاحیت کو ترقی دے سکیں۔

س۔ لوگ کہتے ہیں جمعیت کی لڑکیاں تربیت پانے کے بعد ہیروں کی طرح نکھر آتی ہیں۔ ان ہیروں کو تراشنے میں آپ کو کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟

ج۔ میں آپ کے اس خیال سے متفق ہوں کہ جمعیت میں آنے کے بعد لڑکیوں میں ایک نمایاں فرق آجاتا ہے۔ دراصل یہ دین کا رنگ ہے جو ان کو نکھارتا ہے۔ جب ایک فرد قرآن وحدیث سیرتِ رسولؐ و صحابیاتؓ بالخصوص امہات المومنین کی زندگی کا مطالعہ کرتا ہے۔ اسلام کو بطور نظام حیات قبول کرتا ہے اور آخرت کی جوابدہی کے احساس کے ساتھ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام شعوری طور کرنے لگتا ہے تو یہ چیز لازماً اسے معاشرے کے دوسرے افراد سے ممتاز کر دیتی ہے۔

س۔ کوئی ناقابلِ فراموش واقعہ بتائیں جو جمعیت کو آرگنائز کرنے کے دوران پیش آیا ہو؟

ج۔ جمعیت کو آرگنائز کرنے کے دوران تو کوئی ناقابل فراموش واقعہ ذہن میں نہیں آتا۔ میں نے ایک سال تک ناظمہ اعلیٰ کے طور پر کام کیا۔ وہ سال مختلف مقامات کے دورے کرنے میں گزرا۔ ایک سال کے اندر تقریباً دس مقامات پر جمعیت کا کام شروع ہوگیا۔ پہلے سالانہ اجتماع پر کراچی اور حیدرآباد سمیت دس علاقوں اور کالجوں سے طالبات شامل ہوئیں۔ پہلا سالانہ اجتماع بہت کامیابی کے ساتھ انجام پایا۔ خوشی، اطمینان اور سکون کے ساتھ اللہ کے بے حد شکر کا احساس تھا۔ اس کے فوراً بعد جمعیت کو ایسے ایسے لوگ ملے جنہوں نے جمعیت کو دعوتی، تربیتی اور تنظیمی لحاظ سے مضبوط و توانا کر دیا۔ اس کی تاریخ آپ کے سامنے ہے۔

پھر میرا تعلق براہ راست جمعیت سے نہ رہا۔ جماعت اسلامی میں شمولیت کے بعد کچھ یادیں ایسی ہیں جن کا تذکرہ کروں تو شاید فائدہ مند ثابت ہو۔

یہ جنرل ضیاء الحق کا دور تھا (77ء تا 88ء) جنرل ضیاء الحق نے اپنے دور حکومت میں سکولوں میں آٹھویں جماعت تک عربی زبان لازمی کر دی تھی۔ ان دنوں میں میرے شوہر فیصل آباد زرعی یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب نے ایک کورس ''عربی ڈپلومہ کورس'' کے نام سے شروع کیا۔ یہ ایک سال کا کورس تھا جس میں قرآن وحدیث کا کچھ حصہ، صرف ونحو اور قصص النبیین وغیرہ شامل تھے۔ عربی لازمی ہونے کی وجہ سے کیونکہ سکولوں میں عربی ٹیچرز کی ضرورت تھی اور اس ڈپلومہ کے بعد ٹیچر کی حیثیت سے سکولوں میں ملازمت مل سکتی تھی۔ لہٰذا فیصل آباد کے مضافات سے انٹرویو کے لئے ایک ہزار درخواستیں وصول ہوئیں جبکہ انہوں نے صرف 100 طالبات کو داخلہ دینا تھا۔ بہرحال یہ کورس شروع ہوا اور اس کورس کو پڑھانے کا اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع عطا فرمایا۔ اگلے سال کثرت تعداد کی وجہ سے دو ٹیچرز اور بھی رکھی گئیں۔ قصہ مختصر چھ سال تک یہ ڈپلومہ کورس جاری رہا۔ ہم نے بھی موقع کو غنیمت جان کر اس کے ذریعے طالبات کو دین کا فہم دینے اور قرآن سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کا شوق اور امنگ ابھارنے کی کوشش کی۔ اسی عرصے میں آسان عربی گرامر کے نام سے کتاب بھی لکھی۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ جن لڑکیوں کو یونیورسٹی میں داخلہ نہ ملتا تھا ان کے لئے ہم نے ''المرکز الاسلامی میں حلقہ خواتین کے تحت ایک کورس ''عالم عربی'' کا شروع کر دیا۔ عائشہ عربی اکیڈمی کے نام سے ادارہ بنایا اور پانچ سال تک لڑکیوں کو قرآن وحدیث اور لٹریچر پڑھایا۔ اس طرح سے دعوت کا کام دیہاتوں تک پھیل گیا۔ نسرین ناظر، عرفانہ خواجہ اور ضلع کی ناظمہ رشیدہ آپا نے اس منصوبہ پر عمل کرنے میں بھرپور تعاون کیا۔ پھر اسی کو

بنیاد بنا کر جامعات بنانے کا تصور ذہن میں آیا۔ میں نے صفہ پراجیکٹ کے نام سے مرکزی شوریٰ میں اس منصوبے کو پیش کیا۔ اس پر دو سال تک اُن دنوں میں مرکزی شوریٰ کی منتخب رکن تھی۔ بالآخر 1990ء میں المحصنات مرکز میں جامعۃ المحصنات کے نام سے ادارے کا قیام عمل میں آ گیا اور آج ملک بھر میں تقریباً 20 مقامات پر جامعات المحصنات قائم ہیں۔ پھر ان کے تحت بے شمار ذیلی جامعات بھی قائم ہو رہی ہیں۔ الحمدللہ اس حقیر سی کوشش کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے بارآور کیا۔

جامعۃ المحصنات لاہور میں پہلے سال پاکستان کے تمام علاقوں سے طالبات نے داخلہ لیا۔ آزاد کشمیر سے آنے والی طالبات نے یہاں سے فراغت کے بعد کشمیر میں دخترانِ اسلام اکیڈمی میں ٹیچرز کی حیثیت کام کیا۔ آج بھی ان جامعات سے فارغ التحصیل طالبات دین کی دعوت کا کام سرانجام دے رہی ہیں۔

س۔ بہت سے لوگوں کو شکوہ ہے کہ جمعیت طالبات کی لڑکیاں شادی کے بعد مشترکہ خاندانی نظام میں ایڈجسٹ نہیں ہو پاتیں جس میں چہرے کا پردہ اور گھریلو امور کی انجام دہی ہے جیسے مسائل درپیش ہوتے ہیں آپ اس سلسلے میں کیا کہتی ہیں؟

ج۔ جمعیت کی لڑکیاں شادی کے بعد سسرال میں ایڈجسٹ نہیں ہو پاتیں اس شکوے کی میں کلی طور پر حمایت نہیں کرتی۔ کیونکہ اکثر و بیشتر گھرانے ایسے بھی ہیں جن کے بزرگوں کو ان طالبات نے آنکھوں کی ٹھنڈک بھی بنایا اور نئی نسل کو بہترین طریقے سے پروان بھی چڑھایا ہے دراصل اس میں سوچ وفکر اور نیت کا بہت دخل ہے۔ جب ایک دین دار لڑکی نئے گھر میں جاتی ہے تو سسرال والوں کو یہ توقع ہوئی ہے کہ اسے بالکل خدیجہؓ اور فاطمہؓ ہی ہونا چاہیے۔ ان کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ ہم تو جمعیت کی لڑکی اس لئے لائے تھے اور ہمیں اس سے یہ اور یہ توقعات تھیں۔ ادھر جمعیت کی لڑکیاں بھی اپنی کم فہمی کی بنا پر اور وسعت نظری اور تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے شدت اختیار کر لیتی ہیں پھر بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ صرف تحریکی گھرانہ دیکھا جاتا ہے تحریکی شوہر اور بیوی نہیں دیکھے جاتے۔ تحریکی گھرانے کا ہر فرد تو تحریکی نہیں ہوتا۔ اس طرح کی مشکلات میں یہ نظریہ قائم کر لینا کہ جمعیت کی لڑکیاں ایڈجسٹ نہیں ہوتیں صحیح نہیں ہے۔ جن گھروں میں یہ مشکلات پیدا ہوئیں ہم نے خود ان طالبات کو ذاتی طور پر جا کر اس شدت اور سختی سے کام نہ لینے اور حکمت کے ساتھ اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی اور جمعیت نے بھی اپنے تربیتی نظام میں اس طرح کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بندوبست کیا۔ قرآن وسنت کی براہ راست تعلیم اور دین کے وسیع تر مطالعے کے نتیجے میں الحمدللہ جمعیت کی لڑکیاں انفرادی طور پر اسلامی اخلاق سے متصف نظر آتی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دینی مزاج بھی اپنے اندر پیدا کریں۔ علم کے ساتھ حلم کا ہونا ضروری ہے۔ لوگوں کے ساتھ گھلنا ملنا۔ ان کے مسائل میں دلچسپی لینا۔ عجز وفروتنی، خلوص اور جذبہ خدمت یہ سب خوبیاں خصوصی محنت اور توجہ ہی سے پیدا ہو سکتی ہیں۔

اجتماعی طور پر جمعیت کو جدید دور کے مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت حاصل کرنے کے لئے زیادہ بصیرت اور علم وحکمت کی ضرورت ہے۔ اب تک جمعیت کی ایک اچھی خاصی تعداد۔ ایم بی بی ایس۔ ایم ایس سی۔ ایم اے اور گریجویٹس پر مشتمل ہے جو اپنے اپنے فیلڈ میں کام کر رہی ہیں۔ میں اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتی ہوں کہ آج تک سوائے ایک دو ناموں کے، ایف سی پی ایس، پی ایچ ڈی اور دیگر ہائر سٹڈیز کے لئے کوئی قابل ذکر کام جمعیت کی تاریخ میں نہیں پایا گیا۔ کیا فیلوشپ اور ڈاکٹریٹ دین سے بے پروا اور دین سے بیزار لوگوں ہی کا حصہ ہے؟ اس میدان میں پیچھے رہ جانا دراصل میدان جنگ سے پسپائی ہے۔

س۔ آپ نئی نسل کیلئے رول ماڈل کیسے سمجھتی ہیں؟

ج۔ نئی نسل ہو یا پرانی، بنیادی، مستقل اور دائمی رول ماڈل تو ایک ہی رہا ہے اور رہے گا ازواج مطہراتؓ وصحابیاتؓ پھر ہر زمانے کی وہ خواتین جو ان کو رول ماڈل بنا کر اپنی زندگی کی پلاننگ کرنے والی ہوں۔ فی زمانہ میری نظر میں آپا جی حمیدہ بیگم اور بنت الاسلام صاحبہ کا نام لینا مناسب رہے گا۔

س۔ بے لگام میڈیا کے دور میں نئی نسل کو کیسے بچایا جا سکتا ہے؟

ج۔ نئی نسل کو میڈیا کے مضر اثرات سے بچانے کے لئے قرآن و حدیث اور دین کی مثبت اور براہ راست تعلیم کا اہتمام بچپن ہی سے کرنا،

توحید، رسالت اور ایمان بالآخرۃ علمی اور عقلی دلائل کے ساتھ ذہن نشین کرانا، اچھی صحبت کا انتظام کرنا، غلط اور صحیح کی تمیز پیدا کرنا، جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ گھر میں ٹی وی، انٹرنیٹ اور موبائل وغیرہ نہ رکھے جائیں یہ ناممکن ہے اور اکثر بے سود ثابت ہوتا ہے۔ اس کا تو ایک ہی طریقہ ہے جس کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے وہ یہ کہ غلط کے مقابلے میں صحیح کا متبادل تیار کیا جائے، تلاش کیا جائے اور اگر موجود ہو تو اس کو پروموٹ کیا جائے۔

س۔ لوگوں کا کون سا رویہ آپ کو دُکھی کرتا ہے؟

ج۔ بے حسی اور خود پسندی کا۔

س۔ کوئی ایسا کام جو آپ نے اب تک نہ کیا ہو اور کرنے کی خواہش ہو؟

ج۔ کام تو بہت سارے کرنے کے ارادے بھی کئے اور انجام دینے کی کوشش بھی کی لیکن تسلی اور اطمینان کسی کام سے بھی نصیب نہ ہوا کہ حق ادا ہو گیا ہو۔

کام تھے عشق میں بہت سے میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

اب اگر اللہ مزید مہلت دے تو خواہش ہے کہ قرآن حکیم عربی قواعد و گرامر کے ساتھ پڑھاتی رہوں۔ پڑھانے کے بعد اپنے اطمینان اور تسکین میں مزید اضافہ اس وقت ہوتا ہے جب پڑھنے والوں کی طرف سے بھی خوشی اور اطمینان کا اظہار ہوتا ہے۔

س۔ بتول سے تعارف کب ہوا۔ آپ کے خیال میں یہ کیسا پرچہ ہے؟ بتول کے قارئین کیلئے کوئی پیغام؟

ج۔ بتول کا تعارف اس دن سے ہے جب سے یہ پرچہ جاری ہوا ہے۔ یہ ایک ادبی اور اصلاحی پرچہ ہے۔ ادب برائے ادب کی بجائے ادب برائے زندگی اس کا مقصد ہے۔ یہ پرچہ مجھے بہت پسند ہے۔ ایک ہی نشست میں اس کو پڑھ لیتی ہوں۔ اس میں جتنے لوگ لکھتے ہیں ان سب سے میں بہت محبت کرتی ہوں۔ کاش میں بھی ان کی طرح لکھ سکتی! نہ میں کہانی لکھ سکتی ہوں نہ افسانہ نہ شعر، نا صائمہ اسما کی طرح اداریہ اور نا ہی افشاں نوید کی طرح کوئی کالم۔ اب آپ ہی بتائیں کہ بتول کے قارئین کے لئے کیا لکھوں! بس ان سب کو پڑھتی ہوں سراہتی ہوں اور سب کے لئے دعائیں کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس پرچے کو ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

س۔ اپنی پسندیدہ کتاب اور شعر بتائیں؟

ج۔ پسندیدہ کتاب نعیم صدیقی کی کتاب محسنِؐ انسانیت ہے جو زندگی کے اندھیرے راستوں پر مشعل کا کام دیتی ہے۔ نعیم صدیقی ہی کی ایک نظم بتول کے لئے ہدیہ کر رہی ہوں جو مجھے جوانی ہی سے زبانی یاد ہے۔ آپ بھی ضرور اس کو پسند کریں گی۔

نشانِ گلشن کی جستجو میں نسیم خانہ خراب گم ہے
نہ کوئی بلبل نہ کوئی قمری کہ سرو گم ہے گلاب گم ہے

میں ذرے ذرے کو دیکھتا ہوں کہیں تو کوئی دھڑکتا دل ہو
جو دل بناتی تھی آب و گل سے وہ روحِ پُراضطراب گم ہے

سنا ہے صحرا سے آ کے لیلیٰ تلاش کرتی ہے بستیوں میں
کہاں پہ کھویا ہے قیسِ عامر، کدھر وہ عشقِ خراب گم ہے

یہ انتظارِ سحر کہاں تک بناؤ خود اپنے چاند سورج
ستارے بجھ بجھ کے گر چکے ہیں مدار سے آفتاب گم ہے

بہم کئے ہم نے کفر و ایماں ملا دیئے ہم نے زہد و عصیاں
عجیب ہے یہ مقام عرفاں ثواب گم ہے عذاب گم ہے

حضورِ رحمت میں لائے مجرم مگر فرشتوں نے معذرت کی
رقم تھے جس میں گناہ اس کے وہ ساری فردِ حساب گم ہے

س۔ آپ کو 23 نومبر 2014ء کے جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع عام میں اسلامی جمعیت طالبات کی بنیاد رکھنے اور آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر ایوارڈ سے نوازا گیا۔ آپ اس کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟

ج۔ جہاں تک اجتماع عام میں ایوارڈ ملنے کا معاملہ ہے میرا سر تو رب کے سامنے اور اپنے ساتھیوں کے سامنے شرمندگی اور ندامت سے جھک گیا۔ جمعیت کی بنیاد رکھنے اور جماعت اسلامی کے کام کے لئے کوئی خدمت سرانجام دینے کا کام اگر اللہ کی جناب میں قبول ہو جائے تو اصل خوش نصیبی ہو گی۔ دعا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی نیکی قبول فرمائی ہے تو اس کا صلہ اپنی رضا اور بخشش کی صورت میں عطا فرمائے۔ آمین۔

☆.....☆.....☆

میری لائبریری سے

نام کتاب: خطوط مسعود
مکتوب نویس: محمد مسعود عبدہٗ
ناشر: مشربہ علم وحکمت

پیارے قارئین! السلام علیکم ورحمتہ اللہ.....

اس کالم میں ناول، سفر نامے سے لے کر آپ بیتی تک کی تمام اصناف کی کتب پر تبصرہ شامل ہو چکا ہے لیکن ایک صنف ایسی ہے جو میرے رب نے اپنی کتاب میں خود اپنے بندوں کو سکھائی۔ جی ہاں..... خط نویسی..... سورۂ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملکہ سبا بلقیس کے نام..... **انه من سليمان وانه بسم الله الرحمن الرحيم**..... یوں اس صنف کے موجد یا بانی ''اوپر والے'' کی ذات ہے۔ اُردو ادب کی تاریخ میں بہت سے لوگ خطوط لکھتے ہیں ''مہارت'' رکھتے تھے۔ خطوط غالب، مکاتیب مشفق خواجہ کے بعد اب تو بے شمار کتب شائع ہو چکی ہیں تاہم ایسا خط جو زبان و بیان کا شاہکار بھی ہو، نفس مضمون بھی منفرد ہو اور پڑھنے والے کو کچھ عطا بھی کرے ان کتب میں ''خطوط مسعود'' اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔

قارئین بتول کے 2014ء کے ہی غالباً کسی شمارے میں ام عبد منیب کا جامع انٹرویو شامل تھا۔ وہ انٹرویو کیا تھا جیتی جاگتی کہانی تھی ایک فرد کے ذہنی انقلاب کی۔ تین سال کی عمر میں والدہ کے انتقال کے بعد والد نے دوسری شادی کی اور ڈر خوف کی وجہ سے گھر سے باہر ہی رہتے۔ اور خرکاروں کے ہتھے چڑھ گئے وہاں ایک بے اولاد آدمی نے اولاد کے حصول کیلئے تعویذ لکھوانا تھا اور وہ انسانی خون سے لکھا جانا تھا۔ اس بچے کو ذبح کرنے کی تمام تیاریاں مکمل تھیں مگر اللہ نے بچا لیا۔ طبیعت بے حد حساس اور خوددار تھی۔ 1945ء میں ممبئی (اب ممبئی بالی وڈ) کی چکا چوند دنیا میں جا پہنچے اور فلموں کی کہانی اور مکالمے لکھنے کا کام شروع کیا..... جی قارئین..... مسعود مشہدی اپنے وقت کا ذہین قلمکار..... جو فلم نگری کو چھوڑ کر رب سے تعلق جوڑتا ہے..... اور جو کیفیات، جذبات اپنی اہلیہ کو قلمبند کرتے ہیں۔ (خطوط کی صورت میں) وہ تربیت کے لحاظ سے نادر خطوط شمار ہوتے ہیں۔ زیر نظر خطوط 1979ء سے 1982ء تک کے وہ خطوط ہیں جو مناسب مکان نہ مل سکنے کی صورت میں اہلیہ اور دونوں کم سن بچوں کو ان کی ننھیال بھجوانے کے عرصہ میں لکھے گئے۔ گو کہ خطوط اپنی اہلیہ کے نام لکھے گئے ہیں لیکن ازدواجی زندگی میں صبر، ایثار کی صفات، بچوں کی تربیت کس پیمانے پر کی جائے کے موضوع پر تحقیقی مقالے کی طرح قیمتی ہیں۔ یہ وہ خطوط ہیں جو صرف ادبی ذوق پر بھی پورا نہیں اترتے بلکہ مقصدیت سموئے ہوتے ہیں۔ ان خطوط میں اسرار، معرفت کے وہ خزانے ہیں جو شاید کسی ولی کے حجرے میں بھی نہ ملیں۔ لوگ عام طور پر میاں بیوی کی ذہنی ہم آہنگی (Under Standing) دنیوی معاملات میں ''یکساں رائے'' کو سمجھتے ہیں جبکہ ذہنی ہم آہنگی تو وہ ہوتی ہے جو دنیا ہی نہیں اخروی زندگی کی تیاری کیلئے بھی ممد و معاون ثابت ہو۔ قارئین متذکرہ کتاب انہی خصوصیات سے مالا مال ہے۔ آیئے اس کے صفحات کھولتے ہیں۔

بلقیس کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ ہم اپنی زندگی کے غموں کی بات کر کے فضول گلہ کرنے کی بجائے ایسی باتیں کریں جن میں اس کی تعریف ہو اس کی محبت ہو جس پر تمام دنیا کی خوشیاں قربان، صحت، تندرستی، فراخ دستی، تنگ دستی یہ سب اسی کے حکم سے ہیں اور ان میں سے جو بھی اذیت دہ ہوتا ہے وہ دراصل ہمارے اعمال کے سبب ہوتا ہے مثلاً صحت بھی تو اذیت کا سبب بن سکتی ہے فراخ دستی بھی غلط روش پر چلا

سکتی ہے اس لیے جن حالا سے یہ گناہگار گزر رہا ہے یقیناً اس کے لئے بہتر ہیں۔

قارئین بچوں کی صحیح خطوط پر تربیت کیلئے اس کتاب کا ہر خط بہت اہم ہے۔لکھتے ہیں۔

ہماری عاقبت اسی طرح مامون ہوسکتی ہے کہ ہم اس فریضہ کو رات کی نیند سے پیارا سمجھیں دن کے آرام سے بہتر جانیں اور اللہ سے اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی معاونت دن رات، ہر لمحہ، ہر سانس پر مانگیں، امید ہے آپ اللہ کے حضور سر بسجود ہوکر رو رو کر اس التجا کو پیش کریں گی سوال بچوں کی زندگی کا نہیں ہماری عاقبت کا ہے۔

اب ذرا بچوں سے محبت کا ایک اور انداز دیکھیے۔

آپ سے پھر درخواست کرتا ہوں ہر صبح بچوں کو الحمد، آیت الکرسی، سورۃ بقرہ کا آخری رکوع، قل شریف، **بسم اللہ الذی لا یضر**.....تا ہو **السمیع العلیم**'' پڑھ کر پھونکیں رات کو سوتے وقت بھی اپنی عادت سے مجبور ہوکر یاد دلا رہا ہوں۔

قارئین ایک کہانی کار اگر نت نئی اصطلاحات، برجستہ فقرے ہی چسپاں نہ کر سکے وہ کہانی کار کیسے بنے؟ کچھ اصطلاحات پر تو واہ واہ کے ساتھ سر دھننے کو دل چاہتا ہے مثال کے طور پر بیوی اور دونوں بچوں کو ''اصحاب ثلاثہ'' تلاش روزگار کو ''دنیائے دوں کی تلاش وغیرہ وغیرہ۔

مرد مومن کی صفات میں اپنے اعمال کا جائزہ، محاسبہ کو تاہیوں (اپنی) پر نظر بھی شامل سے۔لکھتے ہیں۔''سوچتا ہوں کھانے پینے کی مجھے تکلیف نہیں اللہ کے دیئے کپڑے بھی ہیں اور سونے کی جگہ بھی پھر اپنے بچوں سے مجھے کیوں دور کر دیا۔میرا ایمان ہے حالات اللہ کے حکم کے غلام ہیں لوگوں کے دل اللہ کے تصرف میں ہیں ان کے ارشاد ''کن'' کا ہر واقعہ ظہور ہے میں اس کے حکم سے بدگمانی کفر سمجھتا ہوں مجھے تو ایسے لگتا ہے میں نے اپنی نمازوں سے غفلت برتی قرآن کی تلاوت سے زیادہ اپنی بیٹی کے پیار کو ترجیح دی، میرے اللہ مجھے معاف کر میں نے بیٹی کے لیے راتوں کو جاگنا بخوشی قبول کیا اس میں راحت پائی مگر تہجد سے اغماض برتا دل میں آپ کی اور آپ کے محبوبؐ کی محبت کا دعویٰ کیا مگر عمل الٹ کیا یقیناً یہی وجہ ہے۔

قارئین خطوط میں حالات حاضرہ (اس وقت کے، اب تو حالات سابقہ ہیں) پر سیر حاصل گفتگو اور تجزیئے بھی شامل ہیں۔

قارئین آپ افسانے کہانیوں میں، سچے پیار کا ذکر پڑھتے ہیں جس سے مراد ایثار والی محبت ہوتی ہے۔سچا پیار کسے کہتے ہیں؟ آیئے ذرا دیکھئے۔

''میری دعا ہے اللہ آپ کے، مریم امہ اور محمد عبد منیب کے دل اور سینہ کو اپنے نور سے منور فرما دیں یہ دونوں بچے قیامت کے دن نور ایمان سے منور ہمارے آگے آگے ہوں اور ہم ان کے پیچھے پیچھے..... یا ساتھ ساتھ۔آمین۔

ان خطوط میں جا بجا پیار کی جھلک نظر آتی ہے۔اس کے علاوہ خطوط میں ادبیت کی چاشنی بھی موجود ہے۔سورج ہمیں تمازت دیتا ہے چاند ہمیں ٹھنڈک دیتا ہے، بارش زندگی دیتی ہے گویا انسان اشرف المخلوقات بھی اللہ سے یہی فرائض لے کر پیدا ہوا ہے کہ وہ اپنے افکار، اپنا علم، اپنا اکتساب جو کچھ وہ حاصل کرے۔

خطوط مسعود میں جا بجا حکمت کے خزانے مدفون ہیں۔کہیں بیماریوں پر ٹوٹکوں سے نوازا جاتا ہے اور ٹوٹکے بھی عجب شان کے ہیں (زبیدہ آپا والے نہیں) بیوی کی کمر میں درد پر لکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ شفا دیں دوا کرنا مسنون ہے اور اپنا دکھ اللہ سے کہنا ایمان ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جس مقام پر کوئی تکلیف ہو اس کا تصور کر کے رات یا دن، جب یکسوئی ہو جب دل شافی مطلق سے دعا کرنے کی طرف مائل ہو اس کے حضور میں درخواست کیجئے۔میرے اللہ جسم کے حصہ کے خالق آپ ہیں جب یہ کچھ نہیں تھا تو اس کو صورت آپ نے دی اگر یہ کسی غلطی کا مرتکب ہوا ہے تو اسے معاف فرما دیجئے، معاف فرما دیجئے، معاف فرما دیجئے۔ہر بگاڑ کو آپ ہی سنوار سکتے ہیں۔آپ ہی شافی و رحیم و کریم ہیں اور یہ سلسلہ تب تک جاری رہے جب تک شفا نہ ہو جائے۔

روزی کا ایک ذریعہ کہانی لکھنا تھا لیکن میڈیا کیلئے لکھنا ایک صاحب ایمان شخص کے لئے کس قدر تکلیف دہ امر ہے وہاں پر کس قدر

غلاظت، وعدہ خلافی، دھوکہ دہی اور منافقت ہے زیادہ تر خطوط میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ فلم اور ڈراموں کی دنیا کے وہ بڑے بڑے نام جن کو اس زمانہ میں معیار سمجھا جاتا تھا ان کا کردار اس طرح سامنے آتا ہے کہ جھرجھری لے کر توبہ تلا کرے بغیر گزارہ نہیں۔ لکھتے ہیں۔

ام مریم، اللہ کی عجب شان ہے بڑے بڑے افسران میں سے 70 فیصد شراب اور خرافات کے عادی ہیں شراب پیتے ہیں اور اللہ اللہ بھی کرتے ہیں فوج کے اعلیٰ عہدیداروں کے اخلاق کا بھی اللہ سے کوئی تعلق نہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دیں اپنے مقصد کو گفتار فروشی سے پورا کرنے کیلئے حکام بالا کو شراب اور عورت کا استعمال کراتے ہیں۔ اس غیرت گری کی سوداگری اور بے حیائی کو وہ لوگ ترقی پسندی کہتے ہیں پاکستان میں مردوں سے زیادہ عورت اس معاملہ میں آگے بڑھا دی گئی ہے جواں سال لڑکیاں ہوں یا شادی شدہ.....داڑھی اور اسلام پسندی کو دقیانوسی تصور کرتے ہیں۔

یادرہے پیارے قارئین یہ خطوط 1980ء کے اوائل میں تحریر کئے گئے ہیں۔

یہ خطوط پڑھنے سے مسعود عبدہٗ (مرحوم) کی ایک ماہر نفسیات کی تصویر سامنے آئی ہے۔ تحریر کرتے ہیں ''حیا اصل میں ہمارے شہوانی جذبات کو تقدس بخشتی ہے مثلاً جس طرح غصہ اگر چند شرائط کے تحت عمل میں آئے تو وہ غیرت کہلاتا ہے اور غیرت نفس ایمانی کا احسن عمل ہے اس طرح شہوانی جذبات حدود شرعیہ میں محدود ہو کر عمل میں آئیں تو شرعی عمل کہلاتی ہیں۔ حیا کے سخن میں بہت سی صفات از خود پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً بزرگوں کا ادب، اپنے سے علم و عمل میں بہتر کا ادب، گویا تہذیب نفس کے لئے حیا بہت ضروری ہے اور اس اعلیٰ صفت کا عمل اللہ نے نگاہوں کو بخشا ہے اور حیا کے تحفظ کا طریقہ بھی بتایا ہے غیر محرم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا تو ایک طرف اپنے بزرگوں اور بھائیوں کی بھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہ کرو۔ جب بیوی اپنے مرد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے یا شوہر عورت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے لگے تو اکثر نتیجہ فسق و فجور اور گھر جہنم کدہ بن جاتا ہے۔

قارئین بہت سے حساس موضوعات مثلاً بیٹی کی پیدائش پر ردعمل صحیح نہ ہونا، گناہ کرنا آسان کیسے ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ جن پر خطوط میں بہت تفصیلی اظہار خیال کیا گیا ہے اور ان کی ہر سطر پڑھے جانے کے قابل ہے۔ بچے کی تربیت، ان کا دل پسند موضوع ہے چند نکات ملاحظہ فرمائیں۔

جب گھر میں کوئی آئے اور سب باتیں کر رہے ہوں تو مریم امہ اور عبد منیب کو باتیں سننے کی عادت سے دور رکھیے گا۔

چھوٹی چھوٹی باتوں میں بچوں سے مشورہ لیا کریں۔

بچوں کے تلفظ کی اصلاح، عربی زبان یاد کرنے پر زیادہ دھیان دیں۔

اس کے بعد اسی موضوع پر مکالماتی انداز میں تحریر ہے۔ مزید یہ کہ ہر خط میں ہی دعائیہ کلمات، دعا مانگنے کا انداز، مطلوب کیفیات کا اس قدر عمدہ ''وارداتِ قلب'' کی صورت میں بیان ہے کہ ایک دفعہ پڑھنے والا اپنی دعاؤں پر شرمسار ہو کر ہی رہتا اپنی بیوی کے ذوق شاعری (اور شاعری میں بھی نعت) پر سیر حاصل گفتگو، تجاویز، تبصروں کی شکل میں موجود ہے۔ تکنیکی حوالوں سے نعتیہ اشعار کو سامنے رکھا گیا ہے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

نعت اور تبلیغ دونوں میں واضح فرق ہے نعت کا فیضان انسان کو صرف خود پہنچتا ہے اور تبلیغ نعت ہے رسولؐ اللہ کے خلق عظیم کی جس سے نسل انسانی کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔

دعا کے متعلق ان حروف کو بھی پڑھیے۔

''دعائیں کام آتی ہیں بیگم، کیوں کہ ان کا تعلق تو اس ذات والاصفات سے ہوتا ہے جو کسی کو محروم نہیں کرتے۔ انہوں نے تو اپنی مخلوق میں سب سے بڑے مرتد، راندۂ درگاہ ابلیس کی دعا بھی قبول فرمائی اور اپنی جمہوری حکومت میں فتنہ و فساد کے ناشر کو جو مانگا اسے عطا فرمایا اور ہم لوگ تو انسان ہیں اور الحمدللہ ''حمداً کثیراً'' ان میں سے ہیں جنہیں کلمہ طیبہ مفہوم کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ شکر ہے بیگم

صد شکر۔

کتاب کے کل صفحات کی تعداد 184 ہے اور قیمت تحریر نہیں کی گئی۔ کتاب میں کچھ بہت دلچسپ واقعات بھی موجود ہیں۔ حسب حال اشعار بھی فٹ کئے گئے ہیں۔

کبھی حیرت کبھی مستی! کبھی آہ سحر گاہی
ہزاروں رنگ بدلتا ہے یہ میرا درد مہجوری

ایک خط کے آغاز میں تاریخ یا بسم اللہ کی بجائے شعر درج ہے۔

بنام شاہد نازک خیالاں
عزیز خاطر آشفتہ حالاں

کتاب کے ایک خط میں درج ہے۔ دنیا میں انسانی رشتوں میں سب سے زیادہ عظیم اور قابل احترام رشتہ ماں کا ہے اس رشتہ کی خصوصیات ملاحظہ فرمائیے۔

شدید اذیت کے ساتھ وہ اپنی اولاد کو اپنے خون کی غذا مہیا کرتی ہے۔

9 ماہ تک تکلیف کے بعد اولاد پیدا کرتی ہے۔

اس کی پرورش میں رات کی نیندیں، زبان کے چسکے (پرہیز) دن کا سکون بخوشی قربان کرتی ہے۔

ان کی تعلیم و تربیت کی عظیم ذمہ داری کو ان کے جوان اور باشعور ہونے تک اپنے کندھوں پر سوار لئے پھرتی ہے۔

وہی ماں اپنی لڑکی کو شریعت محمدؐ کی تعمیل پر دوسرے کے حوالہ کرتی ہے۔

قارئین ایک کرایہ دار کن مشکلات کا سامنا کرتا ہے (نیا مکان ڈھونڈنے میں) اپنے مکان کے متعلق کیا سوچ ہونی چاہیے سے لے کر ہر خبر ان خطوط میں زیر بحث لائی گئی ہے۔

قارئین ولی اللہ حجروں میں سبز چوغے اور گلے میں مالا پہنے نہیں ہوتے یہ ہمارے اردگرد عام لوگوں میں موجود ہوتے ہیں۔ ولی راہی ولی راشناس (ایک ولی کو ولی ہی پہچان سکتا ہے) ان ولیوں کی سوچ اور عمل میں فرق ہوتا ہے۔ اس پیراگراف کو پڑھ کر اندازہ لگائیں۔

''دراصل میں بہت حساس ہوں شدید حساس آدمی ذرا ذرا سی بات اور رویے کو سوچنے والا اگر اللہ کی بخشش سے اس کی معاونت کے عملی مشاہدے میرے ساتھ نہ ہوتے تو میں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتا۔ اللہ کا شکر ہے ہر صدمہ مجھے اللہ کے دامن کی طرف کھینچ لے جاتا ہے جس طرح بچہ ماں سے پٹنے کے بعد ماں کی گود میں ہی سمٹتا ہے۔

اللہ نے عورت کے بارے بلیغانہ انداز میں فرمایا ہے لتسکنو الیھا عام رجحانات میں عورت کی نگاہ کی خوبصورتی شاعروں، ادیبوں اور دین سے دور لوگوں کی نظر میں اس کا نرگسی ہونا، شوخ ہونا یا چشم بقول فیض

تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا گیا ہے
ان نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے

لیکن ہمیں نگاہ اور حسن کو اپنے ہادی علیہ التحیۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق کرنا ہوگا نگاہ وہی قابل احترام ہے جس میں حیا ہو۔ حیا کو حسن نگاہ کا معیار قرار دے کر سرور دو عالم نے سب کو باطل قرار دے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حیا نہ صرف اپنے لئے باعث امن ہوتی ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی باعث سکون ہوتی ہے۔''

کالم کا دامن تنگ پڑ گیا ہے اور خط کشیدہ پیراگراف کی بہتات ہے جس کیلئے کتاب پڑھنا بہت ضروری ہے۔ کتاب خریدئے، پڑھیے اس کی اہمیت سے آگاہ کیجئے یہ سوچ کر کہ شاید یہ بھی صدقہ جاریہ میں ہے۔ فی امان اللہ

☆.....☆.....☆

آسیہ راشد

گل بدن بیگم

گل بدن بیگم مغل بادشاہ ظہیر الدین محمد بابر کی بیٹی مغل شہزادے نصیر الدین ہمایوں کی بہن اور جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی پھوپھی تھیں۔ بابر بادشاہ کے چار بیٹے تھے۔ ہمایوں۔ مرزا کامران، مرزا عسکری، مرزا ہندل اور مرزا سلیمان۔ بیٹیوں میں سب سے ذہین، عقل مند اور لاڈلی گل بدن بیگم تھیں۔ گل رنگ اور گل و چہرہ بیگم بابر بادشاہ کی دیگر صاحبزادیاں تھیں۔ گل بدن بیگم کی رگوں میں تیموری خون کے ساتھ چنگیزی خون بھی موجود تھا کیونکہ بابر بادشاہ اپنے والد کی طرف سے امیر تیمور کے بیٹے میران شاہ کی نسل سے اور والدہ کی طرف سے چنگیز خان کے بیٹے چغتائی نسل سے تھے یعنی ترکی اور مغلی دونوں جانب سے اعلیٰ ترین حسب ونسب رکھتے تھے۔

گل بدن بیگم 1523ء میں کابل میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی پیدائش کے وقت بابر بادشاہ کو کابل پر حکمرانی کرتے ہوئے تقریباً انیس برس کا عرصہ گزر چکا تھا اور آپ ان دنوں ہندوستان پر فوج کشی کا سامان کر رہے تھے۔ بچپن کا زمانہ گل بدن بیگم نے اپنے والد کے سایہ عاطفت میں کابل اور ہندوستان میں بسر کیا۔ آپ کی والدہ کا نام دلدار بیگم تھا۔ جب وہ دو برس کی ہوئیں تو بابر کی بڑی بیگم ماہم بیگم نے گل بدن کو اس کی حقیقی والدہ سے مانگ لیا اور نہایت محبت اور شفقت سے ان کی پرورش کی۔ بابر بادشاہ کو اپنی اس صاحبزادی سے خاص انس تھا جب بابر بادشاہ نے شمال مغربی ہندوستان میں اپنے قدم جما لئے تو آگرہ میں قیام کے دوران ماہم بیگم اور گل بدن کو اپنے پاس بلایا اور اس وقت گل بدن کی عمر تین برس کی تھی۔ پانچ برس وہ اپنے باپ کے پاس رہیں پھر بابر بادشاہ کا انتقال ہو گیا اس کے تین برس بعد ماہم بیگم بھی دنیا سے چل بسیں۔ یوں گل بدن اپنی حقیقی والدہ کے پاس آ گئیں۔ باپ کے انتقال کے بعد ہمایوں بادشاہ نے اپنی تینوں بہنوں اور اہل خاندان کی بہت شفقت اور پیار سے سرپرستی کی۔ خصوصاً گل بدن سے تو اس کا خصوصی پیار تھا اسی وجہ سے گل بدن ہمیشہ اپنے بھائی کی خیر خواہ اور جانثار رہیں۔

آپ حسنِ صورت کے ساتھ ساتھ حسنِ سیرت سے بھی مزین تھیں۔ آپ ذکاوت اور علمیت کے لحاظ سے اپنے زمانہ کی عورتوں پر نمایاں فوقیت رکھتی تھیں بچپن سے ہی آپ کی ہونہاری نے سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ بابر بادشاہ اور ماہم بیگم نے آپ کی بہت لاڈ پیار سے پرورش کی تھی اور آپ کے سب بہن بھائی آپ کو بہت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ تیمارداری میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔

آپ کے بھائی کامران مرزا باوجود یہ جاننے کہ آپ ہمایوں کی از حد طرفدار اور معاون ہیں۔ کبھی آپ سے درشتی سے پیش نہیں آئے۔ ایک دفعہ مغلوب الغیظ ہو کر مرزا کامران نے جب بیگمات کو قید کر دیا تو گل بدن بیگم ان کے عتاب سے محفوظ رہیں۔

جب گل بدن کی عمر سولہ برس ہوئی تو ان کی شادی خضر خواجہ خان سے کر دی گئی۔ جو ایمن خواجہ کے بیٹے اور اپنی والدہ کی جانب سے حیدر مرزا دوغلات کی نسل سے تھے یعنی اعلیٰ نسب چغتائی مغل تھے۔ جب ہمایوں بادشاہ بنگال کی مہم سے واپس آئے تو آپ نے گل بدن کو لچک قصابہ پہنے دیکھ کر پہلی نظر میں پہچانا ہی نہیں لچک قصابہ ایک خاص وضع کا رومال تھا جو لڑکیاں شادی کے بعد پہنتی تھیں۔

جس زمانے میں ہمایوں بادشاہ اور شیر شاہ سوری میں معرکہ آرائیاں ہو رہی تھیں اور شیر شاہ کا پلہ بھاری دکھائی دے رہا تھا انہی دنوں کامران مرزا بارہ ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے کر لاہور چلا گیا اور بہت اصرار کر کے گل بدن بیگم کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ جلد ہی ہمایوں بھی شکست کھا کر لاہور پہنچ گیا۔ اسے لاہور آئے ہوئے چار پانچ ماہ ہی ہوئے تھے کہ شیر شاہ سوری یلغار کرتا ہوا لاہور کے قریب آ گیا۔ مجبوراً انہیں لاہور بھی خالی کرنا پڑا۔ مرزا کامران کے پاس فوج زیادہ تھی اس نے کابل کا رخ کیا اور کابل پر قبضہ کر لیا۔ ہمایوں کو مجبوراً سندھ کی طرف

رخ کرنا پڑا۔ شاہی خاندان کی زیادہ تر عورتیں کامران مرزا کے ساتھ تھیں جن میں گل بدن بیگم بھی تھیں وہ تقریباً چار سال تک کامران مرزا کے پاس رہیں۔

ادھر ہمایوں کی بیوی حمیدہ بیگم نے اسکا ساتھ نہ چھوڑا اور وہ ہمایوں کے ساتھ بے پناہ مصائب جھیلتے ہوئے ایران پہنچ گئی۔ اگرچہ انہیں قدم قدم پر بے شمار تکلیفیں اٹھانی پڑیں مگر اللہ نے ایک خوشی بھی ان کے نصیب میں لکھ رکھی تھی۔ امرکوٹ (سندھ) کے مقام حمیدہ بیگم کے بطن سے اکبر (بادشاہ) کی پیدائش ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد ہمایوں ایران سے قندھار پہنچا وہاں عسکری مرزا کو شکست دے کر کابل کی طرف روانہ ہوا۔ مرزا کامران مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور سندھ کی طرف فرار ہو گیا۔ جب ہمایوں کابل آیا تو گل بدن بیگم اپنی والدہ دلدار بیگم اور بہن گل چہرہ بیگم کے ساتھ ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ دونوں بہن بھائی خوش دلی سے ایک دوسرے سے ملے اور اس واقعے کے بارہ برس بعد تک گل بدن بیگم کابل میں ہی رہیں یہاں تک کہ ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان فتح کر کے کچھ عرصہ بعد وفات پائی اور 1556ء میں اکبر بادشاہ تخت نشین ہوا۔

اکبر نے اپنی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال کابل سے شاہی خاندان کی خواتین کو واپس ہندوستان بلا بھیجا۔ چنانچہ اکبر کی والدہ حمیدہ بیگم، پھوپھیاں سبھی واپس ہندوستان آ گئیں۔ اکبر ان سے مل کر بہت خوش ہوا۔ گل بدن کا شوہر خضر خواجہ خان ہمایوں کے ساتھ پہلے ہی ہندوستان پہنچ گیا۔ 1563ء میں جب اکبر زخمی ہوا تو خضر خواجہ نے اس کی مرہم پٹی میں مدد کی اس کے بعد اسے امیر الامراء بننے کی عزت بھی حاصل ہوئی۔ گل بدن کے بطن سے خواجہ خضر کے دو بچے پیدا ہوئے ایک بیٹی سلیمہ اور بیٹا سعادت یار جس کا ذکر تاریخ میں درج ہے۔

1575ء میں گل بدن بیگم نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ حج پر جانے کیلئے بہت سی شاہی خاندان کی عورتیں ان کے ہمراہ تھیں جن میں اکبر کی بیوی سلیمہ سلطان بیگم، عسکری مرزا کی بیوہ سلطانم بیگم، کامران مرزا کی بیٹیاں حاجی بیگم و گلزار بیگم، گل بدن بیگم کی پوتی ام کلثوم، گل بدن کی بیٹی سلیمہ کے علاوہ بہت سی سہیلیاں اور کنیزیں بھی تھیں ان کا محرم سلطان خواجہ تھا۔ ان کی نگرانی محمد باقی خان کوکا اور رومی خان الیسو کر رہے تھے یہ کاروان سورت پہنچ کر بعض مشکلات کی وجہ سے ایک سال تک رکا رہا بالآخر بحری جہازوں پر سوار ہو کر بخیریت مکہ معظّمہ پہنچ گیا۔ وہاں ان کا قیام ساڑھے تین سال تک رہا۔ اس دوران میں انہوں نے چار حج کیے اور روضہ رسولؐ پر حاضری بھی دی۔

اب کی بار خواجہ یحییٰ امیر حج تھا، جسے اکبر نے حکم دیا تھا کہ خواتین کو واپس لائے۔ بدقسمتی سے یہ کاروان جس جہاز میں سفر کر رہا تھا وہ عدن کے قریب ایک چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا۔ معجزانہ طور پر مسافروں کی جانیں بچ گئیں۔ اس وجہ سے گل بدن بیگم اور دوسری شاہی خاندان کی عورتوں کو ڈیڑھ سال تک عدن میں رکنا پڑا۔ مگر عدن کے ترک گورنر نے ان کے ساتھ شایان شان سلوک نہیں کیا جب ترکی کے فرمانروا سلطان مراد ثالث کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے گورنر کو سخت سزا دی۔ آخر تھکا دینے والے انتظار کے بعد مصیبت زدہ خواتین کو جہاز مل گئے اور وہ ان پر سوار ہو کر سورت پہنچیں۔ گل بدن نے اپنی باقی زندگی اکبر بادشاہ کے حرم میں پرسکون گزاری۔

1582ء میں اکبر بادشاہ نے اپنی پھوپھی گل بدن سے کہا کہ بابر بادشاہ اور ہمایوں کے بارے میں انہیں جو کچھ معلوم ہے اسے ضبط تحریر میں لائیں۔ چنانچہ گل بدن بیگم نے اپنی مشہور شہرۂ آفاق کتاب ''ہمایوں نامہ'' تالیف کی۔

ایک فاضلہ انگریز خاتون اینٹ ایس بیورج نے اس دلچسپ نادر کتاب کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ ادبی تحقیق میں ایک بلند پایہ مقام رکھتا ہے۔ موجودہ اُردو ترجمہ میں اس فاضلہ کتاب سے بھی بعض امور میں استفادہ کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ متعدد مستند تاریخی کتب ترکی و فارسی لغات کی مدد سے عبارت کی مشکلات کو حل کیا گیا ہے اور ضروری تشریحات کر دی گئی ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ سے شغف رکھنے والے لوگوں کیلئے یہ کتاب بہت مفید ہے۔ خصوصاً طبقہ اناث میں اسے بہت مقبولیت حاصل ہے کیونکہ اسے لکھنے والی بھی خاتون ہے اور خاتون بھی ایک عظیم سلطنت کی شہزادی جس کے ہر اوصاف و خصائل کی تقلید اس زمانہ کی عورتوں کیلئے باعثِ ارتقاء ہے۔

ظہیر الدین بابر کے بچوں میں ایک گل بدن بیگم ہی ایسی تھیں

جنہیں اپنے پُر اوصاف والد کی خوبی تحریر اور ذوق شاعری گویا ورثے میں ملے تھے۔ بابر بادشاہ نے اپنے دور کے حالات اپنی مشہور و معروف کتاب بابری میں رقم کیے ہیں۔ بادشاہ نے اپنی پر حوادث زندگی کے حالات بہت دلچسپ انداز میں تحریر کئے ہیں۔ بادشاہ کو شعر گوئی پر بھی دسترس حاصل تھی۔ اس کی متعدد غزلیات اور اشعار تزک بابری میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح گل بدن بیگم نے اپنے بھائی ہمایوں بادشاہ کے عہد کے واقعات تحریر کئے ہیں۔ اس تصنیف کے علاوہ آپ کے متعدد اشعار بھی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی اپنے والد کی طرح شعر گوئی میں مہارت رکھتی ہیں۔ تزکِ بابری ترکی زبان میں ہے جو بابر کی مادری زبان تھی مگر گل بدن بیگم نے ہمایوں نامہ فارسی زبان میں تحریر کیا ہے۔ سمرقند چھوڑنے کے بعد بابر اپنے خاندان کے ساتھ عرصہ دراز تک کابل میں مقیم رہے۔ یہاں کی زبان فارسی تھی۔ اس طرح ان کی اولاد میں فارسی کا رجحان بتدریج ہوتا چلا گیا۔ اس کے بعد آپ ہندوستان آئے تو یہاں جو مسلمان آباد تھے وہ بھی فارسی بولتے تھے۔ اس طرح آہستہ آہستہ فارسی زبان ترکی پر غالب آ گئی اور آپ کی اولاد چند پشتوں بعد ترکی سے نابلد ہوگئی۔ گل بدن بیگم کو ترکی اور فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ان کی فارسی تحریر میں جابجا ترکی کے الفاظ ملتے ہیں۔

بلا شبہ ''ہمایوں نامہ'' گل بدن بیگم کے کمال انشاء پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے عہد کی معاشرت اور زندگی کا حال ایسے دلنشین انداز میں لکھا ہے کہ من وعن اس دور کی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ مثال کے طور پر جو چند رسوم و رواج ہمیں معلوم ہوتے ہیں ان میں سے کچھ قابلِ ذکر ہیں کہ عورتیں پردے کی سخت پابند تھیں، نامحرم کے سامنے جانا بہت معیوب سمجھتی تھیں۔ نقاب یا برقعہ کے بغیر باہر نہیں نکلتی تھیں مگر اس کے باوجود انہیں ہر طرح کے علوم سیکھنے اور مہارت حاصل کرنے کے مواقع حاصل تھے وہ سیر و سفر بھی کرتیں، شہسواری، چوگان سازی، تیراندازی اور کئی قسم کے فنون میں مہارت تھی۔ فن موسیقی کا بہت رواج تھا۔ ضرورت پڑنے پر مردانہ لباس بھی پہن لیتی تھیں عورتوں کو اپنی شادی اور نکاح کے معاملے میں پوری آزادی حاصل تھی۔ نکاح سے پہلے عورتوں کی رضامندی حاصل کرنا بہت ضروری تھا۔ خواتین کا بے حد احترام کیا جاتا۔ بڑے گھرانوں میں ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا ان کا دائرہ اثر گھر بار کے انتظام تک محدود نہ تھا بلکہ اہم سیاسی معاملات میں ان سے مشورہ لیا جاتا تھا اور ان کی رائے کو بہت وقعت دی جاتی۔

گل بدن بیگم نے ہمایوں نامہ میں بابر بادشاہ کو جنگی مشکلات پیش آنے کے واقعات سے کتاب کا آغاز کیا ہے ان کا ذکر وہ تبرکاً کرتی ہیں۔ اپنے بھائی مرزا ہندال کی شادی اور نکاح کی رسومات اور جشن کے بارے میں تفصیلاً ذکر ہے ایسی خوبصورت منظر کشی ہے کہ پڑھنے والے کو لگتا ہے وہ اس دور میں گھوم پھر رہا ہے۔ ہمایوں دور میں ہونے والی جنگیں اور محل میں ہونے والے اہم واقعات اس کتاب میں ملتے ہیں۔ اس کتاب میں صرف شاہی محل کے اندر پیش آنے والے واقعات درج ہیں۔ عام آدمی اس دور میں کیسی زندگی گزار رہے تھے ان کا تذکرہ ناپید ہے۔

گل بدن بیگم اللہ کی راہ میں بہت خیرات، صدقات، وغیرہ کا اہتمام کرتی تھیں۔ بے شمار غرباء و مساکین ان عطیات سے مستفید ہوتے تھے۔

فروری 1603ء میں آپ نے آگرے میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر 82 برس تھی۔ جب ان پر نزع کا عالم طاری ہوا تو اس وقت ان کے پاس حمیدہ بیگم گل چہرہ بیگم اور دیگر تیماردار خواتین موجود تھیں۔ انہوں نے بڑی محبت اور رقت سے انہیں پکارا۔ ''بیگم جیو بیگم جیو'' گل بدن نے آنکھیں کھولیں نہایت کمزور الفاظ میں کلمہ پڑھا پھر ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

من زار بمردم عمرت بادا ارزانی

یعنی میں تو اس دنیا سے رخصت ہو رہی ہوں تم جگ جگ جیو۔

اکبر بادشاہ کو اپنی پھوپھی گل بدن بیگم کی وفات پر از حد صدمہ ہوا وہ بہت دیر تک چشم گریاں رہا اور دور تک جنازے کو کندھا دیا۔ قبر میں دفنانے کے بعد بھی بڑی دیر تک مغموم بصد حسرت و یاس کی تصویر بنا کھڑا رہا اور پھر اداس و غمگین محل کی طرف واپس ہوا۔

استفادہ: ہمایوں نامہ، چار سو با کمال خواتین از طالب ہاشمی، انٹرنیٹ

☆.....☆.....☆

میری عظیم ماں

والدہ کی طبیعت تو ناساز رہتی ہی تھی۔ ایک دو بار پہلے بھی میں کراچی سے باقاعدہ ان کی علالت کا سن کر سفر کر چکی تھی مگر پھر طبیعت سنبھل گئی تھی۔ زیادہ رہنا ان کے پاس میرے لئے ممکن نہ تھا لہٰذا واپس آ گئی۔ مگر دل میں ہر وقت ایک دھڑکا سا لگا رہتا۔ سچ کہا کسی نے کہ بیٹیاں تو پرائی ہی ہوتی ہیں، ماں باپ کی خدمت کرنا یا پاس رہنا بھی نصیب والوں کو ہی ملتا ہے۔ میں ہر دفعہ واپس تو آ جاتی مگر دل وہیں چھوڑ آتی۔ بہن بھائیوں کا جب ہی وہاں سے فون آتا تو دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی..... یا اللہ خیر کہہ کر فون رسیو کرتی..... مگر کب تک ایک نہ ایک دن تو کڑوا گھونٹ پینا ہی تھا۔ یکم جون کی صبح چھ بجے جب فون کی گھنٹی بجی تو نمبر دیکھتے ہی سمجھ گئی..... فون خلاف معمول میرے چھوٹے بہنوئی کا تھا جو کہ میرا چچا زاد بھی ہے۔ کانپتے ہاتھوں سے فون اٹھایا تو سننے کی ہمت نہ ہوئی۔ کب کیسے کچھ بھی سوال کرنے کی ہمت نہ تھی.....

اِنّا للہ وانا الیہ راجعون..... میری پیاری ماں ہم سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو چکی تھیں۔ میری بہت ہی پیاری اور صابر شاکر ماں محبت نثار کرنے والی بہت ہی خوبصورت اور نازک سی سراپا محبت اپنی اولاد کے لیے جان قربان کر دینے والی صفات سے مزین..... آج میں اپنی اولاد کے لئے ایسی مہربان ماں نہ بن سکتی ہوں اور شاید نہ ہوں جیسی کہ میری ماں تھیں۔ والد محترم بھی ایک شجر سایہ دار ہی کی طرح بہت ہی عظیم انسان تھے۔ جماعت اسلامی کے انتہائی شیدائی تن من دھن سے لگے رہنے والے۔ پرانے ارکان جماعت میں ان کا شمار تھا۔ وہ دور آج کل کے دور کی طرح سہولتوں اور قدم قدم پر گاڑیوں کا نہ تھا۔ والد محترم روزانہ ایک لمبا سفر پیدل دفتر آنے جانے میں طے کرتے اور گھر آ کر بھی آرام سے زیادہ جماعتی ذمہ داریوں کو انتہائی خلوص اور لگن سے ادا کرتے۔ پوری زندگی اتنی مصروف تھی کہ گھر کے لئے بہت ہی کم ٹائم نکال پاتے۔ میری عظیم والدہ ان کے کسی کام میں کبھی بھی رکاوٹ ڈالنے یا شکوہ شکایت کرنے کے بجائے ہمیشہ ان کے کاموں کی دل سے قدر کرتیں۔ ان کی صحت اور کھانے پینے کا خاص خیال رکھتیں۔ سردیوں میں صبح صادق میں اٹھتے تو چولہا لکڑی جلا کر وضو کے لئے پانی گرم کر کے دیتیں۔ دفتر جاتے ہوئے ہمیشہ بہترین چمکتے ہوئے وائٹ کپڑے استری شدہ تیار رکھتیں۔ اس لئے کہ والد صاحب رنگین کپڑے پسند نہیں کرتے تھے۔ والدہ روزانہ بخوشی اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتیں۔ والد صاحب کی رائٹنگ ٹیبل پر روزانہ صاف ستھرا استری شدہ ہاتھ کا رومال بٹوہ، ٹوپی، گھڑی اور قلم وغیرہ سامنے رکھ دیتیں تا کہ کوئی چیز جاتے ہوئے بھول نہ جائیں۔ دفتر رخصت کرتے وقت سپرد خدا کہنا اور واپسی پر ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرنا ان کا معمول تھا۔ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کو جنت کا بھی ساتھی بنائے۔ (آمین) اگرچہ والد صاحب کی بھی باوقار اور مہربان شخصیت دلوں سے مٹنے والی نہ تھی مگر چونکہ ان کی وفات کو کافی عرصہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اب ہم سب کے لئے ایک کمزور اور بیمار سی جان ہی توجہ کا مرکز تھیں۔ جن کی ہر لمحے کی دعائیں ہمارے لئے سہارا تھیں۔ والدہ سے ملے ہوئے چھ ماہ گزر گئے تھے۔ گھریلو مجبوریوں کے باعث شدید علالت کا سن کر بھی گھر سے نکل نہ سکی۔ بھائی جان کا فون آیا کہ تم کب تک پہنچ رہی ہو ہم تدفین شام تک کر لیں گے۔ مگر دیدار نصیب میں نہ تھا۔ پی آئی اے کی ہڑتال تھی اور باقی فلائیٹ بھی ڈائریکٹ اسلام آباد جانے والی نہ مل سکیں دو بجے پشاور کی فلائیٹ اور پھر بائی روڈ مانسہرہ پہنچنا تھا۔ راستہ اتنا لمبا تھا کہ صدیوں پر محیط..... روڈ پر رش زیادہ ہونے کے باعث تین گھنٹے کا سفر عموماً ہی چار ساڑھے چار گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔ تدفین کی اطلاع

راستے میں ہی مل گئی تھی۔ میں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے میری پیاری ماں اب اللہ آخرت میں ہی اچھی جگہ مجھے اور آپ کو ملائے۔ اللہ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور اپنے پاس آپ کی بہترین مہمان نوازی فرمائے۔ (آمین) پیاری ماں دنیا ایک سراب ہے زندگی میں بڑی بڑی آزمائشوں سے آپ دوچار رہیں۔ اپنی بچپن کی کہانی سناتے سناتے اکثر رو جاتیں کہ وہ صرف چھ سال کی تھیں تو ہماری نانی کا انتقال ہو گیا یعنی ان کی والدہ کا اور جب ہوش سنبھالا تو والد بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے جتنی لاڈلی تھیں۔ اتنا ہی یتیمی نے رُلا دیا۔ در در کی ٹھوکریں مقدر بنیں کبھی ماموں کے گھر اور کبھی تایا اور چچا کی دہلیز پر تایا نے ہی والد صاحب سے شادی کروائی۔ سسرال میں بھی زیادہ قدر و قیمت میکے کے زور سے ہی ہوا کرتی ہے۔ کہتی تھیں اللہ کے سوا اس دنیا میں میرا کوئی دکھ درد بانٹنے اور سننے والا بھی نہ تھا۔ کافی زمین باپ کی وراثت سے حصے میں آئی تھی۔ مگر دنیا کی کسی چیز سے رغبت نہ تھی۔ میں نے کبھی اپنی ماں کو اپنی زمینوں، جائیدادوں کا رعب جھاڑتے نہیں سنا انتہائی عاجزی سے وقت گزارا۔ انتہائی سادہ لباس پہنا، طبیعت میں، نفاست اور صفائی ستھرائی بہت تھی مگر کبھی نہ قیمتی لباس اور زیور کی طلب یا خواہش کی اور نہ کبھی پہنا۔ اپنی ذات پر ہمیشہ دوسروں کو ترجیح دی خاص طور پر اپنے شوہر کی انتہائی قدر دان، وفادار اور خدمت گزار بیوی تھیں۔ والد صاحب کے آخری ایام میں بیماری کے دوران اتنی خدمت کی کہ والد محترم نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی کہ اللہ تمہیں اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین) کسی غریب محتاج کو دیکھتیں تو فوراً جو کچھ ہوتا نکال کر دے دیتیں۔ بیٹیاں گھر میں آتیں تو چہرہ خوشی سے دھمک اٹھتا اولاد کی اولاد سے بھی اتنا ہی پیار کرتیں جتنا کہ سگی اولاد سے۔ گھر میں کوئی دشمن بھی آجاتا تو سر پر بٹھا لینے والا طرز عمل ہوتا۔ ہمیں اکثر ہی ان باتوں پر اعتراض ہوتا مگر جواب میں یہی کہتیں گھر آنے والوں سے بدسلوکی کرنا اچھی خصلت نہیں ہے۔ ہر وقت اپنے پرائے سب کے لئے منہ سے اچھی اچھی دعائیں ہی نکلتیں۔ بھائی جان سے اتنا پیار تھا کہ ہمیشہ نام بعد میں لیتیں اور دعا منہ سے پہلے نکلتی۔ اکلوتا بیٹا ہونے کے باوجود ان کی تعلیم و تربیت کی غرض سے ہمیشہ اپنے سے دوری برداشت کی مگر ان کی تعلیم و تربیت میں کمی پر کبھی اپنے جذبات کو ترجیح نہ دی۔ انہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ آج اللہ نے ان کی ساری اولاد کو اور خاص طور پر بھائی جان کو عزت، شہرت، مال اولاد ہر طرح کی نعمت سے نوازا ہے۔ مگر والدہ محترمہ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کوئی طمع اور لالچ نہ رکھی۔ زندگی کا ساز و سامان ہمیشہ حسب ضرورت رکھا۔ روپے پیسے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انتقال کے بعد ان کا بکسہ کھولا تو اس درویش صفت خاتون کے سامان میں چند پہنے ہوئے جوڑوں کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ سچ کہا کسی نے ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم۔

☆.....☆.....☆

وہ بِکے گا نہیں

میاں اسلام آباد میں ایک گورنمنٹ ادارے میں ملازم تھے۔ آفس میں سامان کی خریداری کے لئے تین افراد کی مشترکہ ٹیم بنائی گئی تھی جس میں میاں بھی تھے۔ ''ایمانداری'' میاں کی گھٹی میں تھی اور یوں ٹیم کو میاں کی موجودگی میں خسارہ ہی خسارہ تھا..... ''خریداری اور ایمانداری سے'' بھلا ان کے کس کام کی۔ کھانے پینے کے سارے راستے بند تھے کہ میاں صرف حقیقت بل پر سائن کرتے ورنہ انکار.....

اب ٹیم کو رات دن ایک ہی فکر تھی کہ کس طرح میاں کو اٹھا کر پھینک دیں باہر گلی میں کہ ایسے گندے انڈے بھلا کس کام کے.....

آخر ایمانداری کا پھل اسلام آباد سے اندرون سندھ ایک چھوٹے سے شہر سکھر ٹرانسفر کی صورت میں مل گیا۔ میاں پھڑ پھڑاتے رہ گئے۔ سکھر آفس میں سات سال کی جیل کاٹنے کے بعد بالآخر خوش آمدکر کے کراچی پوسٹنگ کروائی۔

کراچی روشنیوں کا شہر، بِگ سٹی اور کہا جاتا ہے کہ کراچی اسلام پسندوں کا شہر ہے۔ بات بڑی حد تک صحیح بھی ہے کہ کراچی میں گلی گلی درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ یوں کراچی پوسٹنگ سے یہ ''ہوا بادِ نسیم'' ان کے گھر بھی پہنچ گئی۔ ہوا کچھ یوں کہ ''بیگم'' ہو گئیں۔ درس و تدریس سے منسلک کچھ نہ بگڑتا جو بات ہوتی صرف درس و تدریس کی۔ لیکن یہاں تو معاملہ تھا درس و تدریس میں سیاست کا یعنی سیاسی اسلام (اسلامی نظامِ حیات) کا، بھلا سیاست کا کیا تعلق قرآن سے۔ میاں تو بھڑک اٹھے۔ ''کن لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے لگی ہو۔''

لیکن بیگم بھی ایک نمبر کی ٹھوس، Solid اور یکسو اپنی جگہ پر قائم دائم۔ انہوں نے بھی قسم کھالی تھی حق تو حق ہے میں جب تک اقتدار کے ایوانوں میں سچے مسلم کو نہ پہنچا دوں گی چین کی نیند نہ سوؤں گی اور یوں گھر میں اک نئی جنگ شروع تھی۔ بیگم ہر دم ایک ہی گانا گاتی رہتیں۔ ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور۔ اسلام کے دستوں سے ہو جائیں گے غم دور۔''

وہ کہتیں۔ ''جب تک اقتدار کے ایوانوں میں کرپشن سے پاک اور نیک صالح افراد نہ پہنچیں گے میرا پیارا ملک پاکستان ایسی ہی مشکلات کا شکار رہے گا۔ ہر ادارہ لوٹ کھسوٹ کرتا رہے گا اور ''ایمانداری'' جان کا روگ بن جائے گی۔ ایماندار کو کبھی کسی گاؤں پھینک دیں گے کبھی کسی گاؤں۔''

الیکشن کا زمانہ آتا تو بیگم پہ اور ترنگ سوار ہو جاتی۔ وہ موسمِ بہار کی طرح کِھل اٹھیں اب تو مردِ مومن مردِ حق اور حافظ جی جیسے لوگوں کو جتوا کر اور وزیرِ اعظم بنا کر ہی دم لینا ہے۔ وہ خواب دیکھنے لگتیں اور صبح و شام ایک ہی وِرد کرتیں۔ ''جیتے گا بھئی جیتے گا اس بار ترازو جیتے گا۔ عدل کی ہے پہچان ترازو۔ تھام لے ہر انسان ترازو۔''

میاں بھی کچھ کم نہ تھے بیگم کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیتے۔ ''بیگم کچھ نہیں بدلنے والا۔ یہ سب ایک سے ہیں۔ کوئی نیک نہیں سب کو امریکہ سے ڈالر ملتے ہیں۔ تمہاری پارٹی والے بھی امریکہ سے ڈالر کھاتے ہیں۔ سب کو کرسی پیاری ہے بس۔''

بیگم ٹیڑھی آنکھوں سے میاں کو دیکھتیں اور چیونگم چباتے ہوئے کہتیں۔ ''ارے میاں کچھ پتہ بھی ہے کہ ہماری پارٹی یہ کرپشن کا کوئی داغ نہیں۔ NAB اور الیکشن کمیشن نے کرپشن اور جعلی ڈگری کیس میں ہر پارٹی کا نام دیا ہے لیکن ہماری پارٹی کو کلیئر قرار دیا ہے کوئی ایک نام نہیں اس کالی لسٹ میں اور اور سپریم کورٹ کی لسٹ نہیں دیکھی تم نے میاں بھتہ خوری اور ٹارگٹ کلنگ میں سب کا نام ہے، میاں سب کا ''نیا

پاکستان والوں کا بھی۔'' لیکن ہماری پارٹی کا نہیں۔''

اخبار تو میاں نے بھی پڑھا تھا اس لئے کھسیا جاتے اور میاں سے جب کچھ نہ بن پڑتا تو کھسیانی بلی کی طرح کہتے۔ ''ہاں ہاں تمہاری پارٹی ہے ناں تم تو تعریف کرو گی ہی ہر کوئی اپنی پارٹی کی تعریف کرتا ہے۔'' بیگم مان سے میاں سے کہتیں۔ ''میاں ایسی بات نہیں لو یہ ترازو تول کر دیکھو کس کا پلڑا بھاری ہے۔ ایک طرف خدمت ہی خدمت ایک طرف عیاری ہے۔'' ساتھ ایک لمبی چوڑی لسٹ ''الخدمت'' کی گوش گزار کر دیتیں۔ پتہ بھی ہے تمہیں اس سال 44 کروڑ روپے سے صرف شہر کراچی میں خدمت کی گئی ہے جس کا سالانہ آڈٹ ریکارڈ پیش کرتی ہے الخدمت، کوئی فلاحی وسیاسی تنظیم اپنا آڈٹ ریکارڈ پیش نہیں کرتی۔

میاں انتہائی لاپرواہی سے یہ کہتے ہوئے جان چھڑاتے کہ ''تمہیں کیا پتہ سچ کیا ہے یہ تو تم کہہ رہی ہو بیگم سب ایک ہیں، مفاد پرست تم گھر بیٹھ کر اللہ اللہ کرو پہلے اپنا گھر دیکھو'' اور جب میاں پہ زیادہ ہی جلال طاری ہوتا تو بیگم کا درس وتدریس میں جانا بند کر دیتے۔ قرآن کا کیا تعلق بھلا اس گندی سیاست سے ہنہ۔ بیگم پہ جب کرفیو سخت ہو جاتا تو بیگم مضطرب مضطرب رہنے لگتیں۔ ان کی انقلابی روح بے چین رہتی۔ آخر ان کی بے چین روح اپنا راستہ آپ نکال لیتی۔ ''اقامتِ دین'' کا کام تو میں نے کرنا ہی ہے خواہ جان ہی کیوں نہ چلی جائے وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں لو میاں تم باہر جانا بند کرو گے تو ہم گھر بیٹھے ہی انقلاب لائیں گے اسلامی انقلاب کبھی وہ افسانہ لکھتیں، کبھی کالم تو کبھی بچوں سے سیکھ سیکھ کر Post ہی بنا ڈالتیں۔ فیس بک پہ اپنا حلقہ یاراں بنا لیتیں اور دھڑا دھڑ شیئر کرتیں۔ نظمیں، ترانے، ویڈیوز وغیرہ وغیرہ۔

ایک دن میاں بازار سے لوٹے تو کافی غصہ میں تھے ''غضب خدا کا بندہ دال روٹی بھی نہیں کھا سکتا۔ مہنگائی کا وہ عالم ہے کہ جیسے مارکیٹ میں آگ لگی ہوئی ہے اوپر سے لوڈشیڈنگ نے زندگی عذاب کی ہوئی ہے۔ گھر میں گھسو تو لائٹ نہیں ہے۔ پانی غائب۔''

بیگم کو اور کیا چاہیے تھا موقع غنیمت تھا۔ دل کی بات پھر زبان پر آ گئی جھٹ بولیں۔ ''میاں جب تک نہ اسلام ہو نافذ۔ چین کبھی نہ پاؤ گے، روٹی کپڑے کے نعروں سے کب تک دھوکہ کھاؤ گے۔'' ''بیگم بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ دھرتی کے رکھوالوں نے اس دھرتی کو سو زخم دیئے ہیں، سب کرپٹ ہیں، اپنے اپنے محل تعمیر کر رہے ہیں، ان کے کچن کے خرچے لاکھوں میں ہیں، سارے سیاستدان ایک ہیں، کرپٹ مفاد پرست۔''

''میاں۔ آنکھیں کھول کر دیکھو سب ایک نہیں ہیں، سارے سیاستدانوں کے محل ہیں، سرائے ہیں، بنی گالہ ہیں، لیکن سراج الحق کا گھر دیکھا ہے تم نے اینٹوں کا گھر ہے کرائے کا۔ وہ بھی تو سیاستدان ہیں پہلے وزیر خزانہ تھے۔ منور حسن کا گھر تو کراچی میں ہی ہے۔ چلو کسی دن لے کر چلوں 100 گز کا گھر ہے۔'' بیگم پھر وجد میں گنگنانے لگیں۔

آخر کب تک راج رہے گا دھرتی پہ اندھیاروں کا
پاکستان بچانے نکلا لشکر ہم سالاروں کا

''اوہو بیگم دکھانے کے لئے سب یہی کہتے ہیں۔ تم یہ گانا تو بند کرو کیوں اپنی جان کھپاتی ہو یہ جو لیڈر ہوتے ہیں ناں تم لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ خود کے بچے امریکہ و یورپ میں پڑھتے ہیں۔'' آخر بیگم نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی نکال لیا اور سینہ تان کر گویا ہوئیں۔ ''ایک بات بتاؤ مُنے کے ابا ہر پارٹی کا لیڈر اپنی پارٹی کی قیادت اپنی اولاد کو دے کر مرتا ہے۔ موروثی قیادت اس کو کہتے ہیں خاندانی کاروبار اور مفاد پرستی، اب تم میری پارٹی کو دیکھ لو۔ پانچ دفعہ قیادت تبدیل ہوئی۔ وہ بھی زندگی میں اپنے ہاتھوں، اے میاں بتاؤ ذرا کیا کسی نے اپنی اولاد کو دی؟''

میاں پھر کھسیا کر رہ گئے۔ ''ارے بیگم! جانے دو، گندی سیاست میں کون پڑے، گند تو گند ہے آخر۔''

''اے ہے منے کے ابا کیوں نہیں سمجھتے اس گندی سیاست کو قرآن سیاست سے بدلنا ہے، میاں تم ہی بتاؤ گٹر بند ہو جائے تو کیچڑ میں جا کر ہی تو گٹر کو کھولو گے ناں یا دُور کھڑے کھڑے ہائے ہائے کرتے رہو گے، ارے میاں گندی سیاست میں تو اترنا پڑے گا۔''

میاں منہ بسور کر رہ جاتے۔ ''تمہاری تو گنگا ہی الٹی بہتی ہے۔

''سارے کرپٹ، مفاد پرست اور مکار ہیں۔ سب ایک ہیں۔''

☆.....☆.....☆

کافی دن گزر گئے، بیگم اپنے کاموں میں مصروف تھیں۔ جب موسم ذرا نرم پاتیں تو پر نکل آتے پھر چہکتیں، گنگناتی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور سیاست کو تو وہ ایمان کا درجہ سمجھتی تھیں کہ قرآن سب کو پڑھاؤں، بڑا دل چاہتا ہے کہ سارے پولیس والوں کو قرآن پڑھاؤں کہ تمہارے لئے کیا حکم آیا ہے۔ تمہیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ یہ فحش سائن بورڈ بنانے والے، لگانے والے سب مسلمان ان سب کو قرآن کا حکم یاد کروائیں، موبائل لے کر چلو تو چھن جاتا ہے، جب تک ہاتھ نہ کٹیں گے یہ نہ سدھریں گے اور کہاں ہیں ہمارے وزیر خارجہ۔ کیا انہوں نے قرآن نہیں پڑھا۔ ''یہود و نصاریٰ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔'' ارے کیا! انہیں قرآن نہیں پڑھنا چاہیے۔ قرآن تو پڑھانا ہے۔ قرآن تو پہنچانا ہے اسمبلی میں ایوانوں میں۔

قرآن کے ہوتے ہوئے کسی اور دستور جہاں کو
اپنا نہ کہا تھا نہ کہا ہے نہ کہیں گے.....

میاں بھی اپنے آفس کے سیمینارز اور پرموشن کے چکروں میں مصروف تھے اس لئے انہیں بھی بیگم کی مصروفیات سے کوئی دلچسپی نہ تھی یوں گھر میں کافی سکون محسوس ہو رہا تھا۔ البتہ پروموشن کے چکر نے میاں کو گھن چکر بنا دیا تھا۔ حق ہوتے ہوئے بھی میاں کو حق نہیں دیا جا رہا تھا۔ کافی جہد اور لارے لپّوں کے بعد میاں نے فیصلہ کیا وہ پروموشن لینے کے لئے عدالت سے رجوع کریں گے اور اپنے حق کیلئے مقدمہ لڑیں گے۔

ایک دن میاں بیگم سے مخاطب ہوئے۔ ''بیگم..... میں مقدمہ کروں گا لیکن میں چاہتا ہوں وکیل تمہاری پارٹی کا ہو۔ تم معلوم کرو اپنی پارٹی میں کسی اچھے وکیل کا.....''

بیگم حیرت سے میاں کو دیکھنے لگیں۔ ''لو میاں دنیا میں ہزاروں وکیل..... وکیلوں کی کمی ہے بھلا، وکیل ہماری ہی پارٹی کا کیوں.....؟''

''بیگم تم جانتی ہو ہر جگہ کرپشن ہے۔ کسی پہ اعتبار نہیں کر سکتے۔ وکیل تو خوب کما رہے ہیں۔ وکیل میرا ہو گا مجھ سے پیسے لے گا لیکن میرے آفس والے اس کو خرید لیں گے ان سے بھی کھائے گا اور مجھے بھی ہرا دے گا، بس بیگم، وکیل ذرا جماعت کا ہو وہ بکے گا نہیں۔'' بیگم گہری مسکراہٹ کے ساتھ میاں کو دیکھنے لگیں۔

''میاں وکیل جماعت کا ہو تو وزیر اعظم کیوں نہیں.....؟''

☆.....☆.....☆

شمیم فاطمہ

ہوئے کِھلا کے وہ جو رُسوا.....!

کہتے ہیں کہ انسان اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوتا ہے..... جب تک زبان بند رہتی ہے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ عمارت اندر سے خستہ وشکستہ ہے یا پُر شکوہ..... سارا بھرم زبان بندی تک ہی قائم رہتا ہے..... اِدھر زبان کُھلی .....ادھر شخصیت کا بھرم کھل گیا..... سارا تاج محل منٹوں میں زمین بوس ہو جاتا ہے..... یہ زبان..... جو معلوم نہیں کہ چھٹا نک بھر بھی ہوتی ہے یا نہیں..... یوں بھی ہر منہ کا اپنا ہی سائز ہوتا ہے..... اب جتنا بڑا منہ ہوگا اتنی ہی بڑی زبان ہوگی..... (اب آپ اس غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو جایئے گا کہ جتنی بڑی زبان ہوگی اتنی ہی بڑی بات ہوگی.....) اگر بڑے منہ کی بڑی زبان سے بڑی بات ہی نکلا کرتی تو ''چھوٹا منہ اور بڑی بات'' والا محاورہ کیسے وجود میں آتا؟..... یہ جو چھوٹے چھوٹے منہ والے چھوٹے چھوٹے لوگ ہوتے ہیں وہ کچھ بھی کہیں..... کہتے رہیں..... اس کو کون گردانتا ہے..... (کوئی سُن بھی لے تو سر جھٹک کے یہ کہتا ہے کہ بک رہا ہے جنون میں جانے کیا.....!) لیکن یہ جو بڑے منہ والے بُرے بُرے لوگ ہوتے ہیں ان کی زبان سے جو بھی نکلے بڑی بات ہو جاتی ہے اور اخباروں کی ہیڈ لائن بن جاتی ہے..... ایک جہاں سنتا اور سر دھنتا ہے۔ چھوٹوں کی کون سنتا ہے.....! اب تو وہ دیدہ ور بھی چمن میں ہیں جو یہ کہہ سکیں کہ۔ گرچہ چھوٹی ہے ذات بکری کی ہے۔ دل کو لگتی ہے بات بکری کی.....! بکری بچاری میں میں کرتی رہ جاتی ہے اور چھری تلے آ جاتی ہے..... زبان کسی کی چھٹا نک بھر کی ہو یا پاؤ بھر کی..... کسی نے زبان کا وزن نہیں کیا..... ہاں بات کا وزن ضرور تسلیم شدہ ہے..... کہ پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے..... دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے..... اب آپ نکتہ چینی کریں گے کہ وہ بات تو دل سے نکلتی ہے..... زبان سے کب نکلتی ہے! کہتے تو آپ ٹھیک ہی ہیں کہ بات تو زبان سے نکلتی ہے مگر رہتی تو دل ہی میں ہے ناں..... زبان کا در کھول کے باہر آ جاتی ہے..... اور جب سنتے کانوں اور دیکھتی آنکھوں کو اپنا درشن کرواتی ہے تو..... کچھ اہل دل، دل تھام کے رہ جاتے ہیں (کہ تھامنے کے لیے نہ کوئی جام نہ صبو۔ نہ کوئی دوست، نہ عدو.....!) اور اہلِ دل کا حال تو آپ جانتے ہی ہیں کہ درد بھی دل نہ ہوتا تو کراہے جاتے.....! دل گرفتگی کی تو ان کی عادت ہوتی ہے..... کوئی بات ہو دل پر لے لیتے ہیں (اب لینے کے لیے کوئی قرضہ کوئی امداد تو ہوتا نہیں ہے.....) اب یہی دیکھ لیجئے کہ کراچی کی دگرگوں حالات کا جائزہ لینے، ماورائے عدالت قتل کیے جانے کا نوٹس لینے..... زخموں پر مرہم رکھنے..... کچھ چارہ گری کرنے..... کچھ غم بانٹنے..... کچھ تسلی دلاسہ دینے کی غرض سے وزیر اعظم صاحب نے شہر زخم زخم کو رونق بخشی..... اب مہمان آئے اور مہمان نوازی نہ ہو تو یہ کیسے ممکن ہے..... ہمارے یہاں کی روایت ہے کہ حالات کچھ بھی ہوں دستر خوان ضرور چنا جائے..... اور اس دستر خوان کو ہمیشہ کشادہ رکھا جائے..... کہ مہمان کو کوئی گلہ نہ رہے (بستی اجڑے یا خاندان اجڑیں ..... دستر خوان سجا رہے.....) مگر بسا اوقات آپ کی ساری محنت، مشقت خاک میں مل جاتی ہے جب مہمان کو کھانا پسند نہ آئے..... سو ہوا یہ کہ وزیر اعلیٰ نے جو اعزازی دستر خوان لگایا وہ وزیر اعظم کو متاثر نہ کر سکا..... اور وہ اس ناگواری کو ضبط بھی نہ کر سکے ان کے دل کی بات زبان پر آ گئی اور کہہ گئے کہ ''کھانا تگڑا نہیں تھا.....!'' (اب اس کے بعد کوئی بات بھی ضروری نہ تھی میرے خلاف سہی یہ بیان اس کا تھا) اب اہل ذوق اس بات پر کتنا ہی سر دھنیں..... اہل درد اس بات پر اتنے دلگرفتہ ہیں کہ..... ان حالات میں ''تگڑا کھانا''.....!! (اب بھی کھانے کی بات کرتے ہو..... دل جلانے کی بات کرے

ہو.....) ایسے حالات میں تو نیند اڑ جاتی ہے ''بھوک اڑ جاتی ہے..... سامنے رکھا کھانا حلق سے نیچے نہیں اترتا اور ہاں اشتہا کا یہ عالم ہے.....! یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے.....! (اب اس بُت کو آپ دیکھنا چاہیں یا نہ چاہیں.....) یعنی یہ جو ہے یہی سب کچھ ہے..... من بھاتا نہ کھایا تو کیا!..... یہ چار دن کی زندگی کیا سادہ کھانے اور پیٹ بھرنے کیلئے ہے؟..... ملک کا سب سے بڑا مسئلہ کھانا ہے..... جس کو میسر ہے..... اس کو بس کھانے سے مطلب ہے..... انواع و اقسام کے کھانے..... اشتہا انگیز کھانے..... کھانے کے بعد سیر شکمی نہیں ہوتی..... بھوک اور بڑھتی ہے..... گنجائش نکلتی رہتی ہے..... اور جن کو میسر نہیں ہے..... وہ بھی کھانے ہی کیلئے مرتے ہیں..... بغیر کھائے..... دو وقت کھانے کی تگ و دو میں..... اُدھر مٹھی میں فاقہ کشی سے..... ادھر دسترخوان پر انواع و اقسام کے لذیز اور خوش ذائقہ کھانے اور پھر بھی گلہ کہ تگڑا نہیں ہے!''

☆.....☆.....☆

آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہے کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو، میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔

آپؐ نے فرمایا کہ حرص و بخل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خرچ کر، گن گن کر نہ رکھ ورنہ اللہ بھی تجھے گن گن کر دے گا اور باندھ باندھ کر نہ رکھ ورنہ تم پر بھی رزق باندھ دیا جائے گا۔

(بحوالہ: شمع ہدایت، از: ظفر اللہ خان)

ٹپ ٹاپ ڈرائی کلینرز

بتول میگزین

گزرا ہوا سال!

خالدہ حبیب رانا۔لاہور

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے وہ مالک کل ہے۔نعمتیں عطا بھی کرتا ہے۔ اور چھین بھی لیتا ہے۔ ہم گناہگار جب نعمتیں مل جاتی ہیں تو اتنا شکر ادا نہیں کرتے جتنا چھن جانے پر آہ وفغاں کرتے ہیں۔گزشتہ نئے سال 2014ء کا آغاز اپنے شریک زندگی کے ساتھ کیا۔جنہوں نے کتنی محبت اور دلجوئی کے ساتھ پیسہ خرچ ہونے کی پروا کئے بغیر مجھے گھٹنے کا آپریشن کرانے پر آمادہ کیا۔ میں نے 11 جنوری کو ہسپتال ایڈمٹ ہونے سے پہلے ان کے کپڑے تیار کئے،ضرورت کی ساری چیزوں کے بارے میں سب کو ہدایات دیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی آپریشن تھیٹر جا پہنچی۔علاج کرانا ہمارا فرض علاج کرنا ڈاکٹر کا فرض لیکن شفا دینے والی اللہ کی ذات۔جن ادویات سے ایک مریض صحت یاب ہوتا ہے۔انہی ادویات سے دوسرا راہیِ عدم ہو جاتا ہے۔میرے ساتھ میرے اللہ کی رضا کچھ اس طرح شامل رہی کہ میں نہ صحت یاب ہوئی نہ راہی عدم۔یہی میرے مالک کی مرضی ہے تو میں اس پر راضی ہوں۔الحمدللہ اس نے اتنی دیر مجھے اتنی قوت دیئے رکھی جتنی دیر میرے شریک زندگی کو میری رفاقت کی ضرورت تھی۔

اللہ کا بلاوا ان کو آ چکا تھا۔تیار میں بیٹھی تھی۔ 2014ء کا سال ڈاکٹروں اور ہسپتالوں کے چکر کاٹتے گزر گیا، جاتے جاتے میری متاعِ حیات چھین کر لے گیا۔ مجھے تنہا کر گیا اور میری ساری توانائیاں جوان کے دم سے حرکت میں تھیں ان کے جاتے ہی مفلوج ہو کر رہ گئیں۔57ء سال کی رفاقت میں بیشمار نشیب وفراز آئے۔لیکن بحیثیت مجموعی وہ ایک بہترین شوہر تھے، بہت ہی مشفق باپ تھے ایک اچھے انسان،محبّ وطن پاکستانی اور سچے مسلمان تھے۔اللہ تعالیٰ ان کی لحد کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس عطا فرمائے۔لیکن اس کے ساتھ ہی میں اپنے مہربان رب کی انتہائی شکر گزار بھی ہوں جس نے اتنی فرماں بردار اطاعت گزار اولاد عطا کی جس نے خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ تن من دھن سے ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔اللہ تعالیٰ ان کو اِس کا بہترین اجر عطا کرے اور دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں جنت الفردوس کی شکل میں عطا کرے۔چھن جانے والی چیز کا دُکھ بھی بہت بڑا ہے۔ لیکن جو نعمتیں موجود ہیں وہ بھی انمول ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں پائیداری عطا فرمائے۔سال کے آخری ماہ دسمبر میں جب تنہائی میرا مقدر بن گئی ہے، دہشت گردی کے دلخراش واقعہ نے خون کے آنسو رلا دیا۔اتنے معصوم بچوں کا بے رحمانہ قتل کتنے گھروں کے چراغ بجھا گیا۔ایسے سفاک ظالم کسی بھی رعایت کے مستحق نہیں۔ہمارے پاکستان میں جو اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے،اس میں ایسے واقعات شرمناک ہیں۔اللہ کرے کہ آنے والا سال اپنے دامن میں بے شمار خوشیاں لائے اور ہر شخص امن و اطمینان کے ساتھ اس پاک ملک میں سر اٹھا کر جی سکے۔

اپنے اعمال کا محاسبہ کروں تو سوائے شرمندگی کے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔آئندہ کیلئے اپنے رب کریم سے دعا کرتی ہوں کہ اچھے اعمال کی توفیق دے دے۔اور پچھلے گناہوں کو اپنی رحمت سے معاف فرما دے۔ تاکہ روز حساب اس کے حضور سرخرو ہو سکوں،ایمان پر خاتمہ ہو اور بغیر محتاجی کی زندگی ملے۔آمین۔

☆.....☆.....☆

''2014ء'' کیسے گزر گیا.....365 دن اور 365 راتیں!!

ربیعہ نعیم

جس طرح اصحٰب کہف کو رب تعالیٰ نے سُلا دیا۔اتنے برسوں بعد جگایا ان کو یونہی لگا جیسے وہ چند دن یا پھر چند گھنٹے ہی سوئے رہے اور اتنا وقت بیت گیا ان کو پتہ ہی نہیں چلا۔مگر میں تو بقائم ہوش وحواس اتنے دن رب کے کرم سے سورج نکلتے اور غروب ہونے کا مشاہدہ کرتی رہی۔ پھر بھی اب جب قلم تھاما کہ اس گزرے ہوئے سال کے بارے میں

لکھوں تو یوں لگتا ہے کہ شاید اس سال کے دنوں اور راتوں میں وقت کم تھا، شاید گھڑی بہت تیز بھاگ رہی تھی۔ کیا ہوا..... کیسے گزر گیا پورا سال..... مجھے تو بہت کچھ کرنا تھا۔ میں تو کچھ ایسا عمل کر ہی نہیں پائی، ہر روز صبح کھانا بنانا، گھر کی صفائی ستھرائی، کام پر جانا اور تھک کر واپس آنا، شام کا تھوڑا سا وقت اپنے جان سے عزیز شوہر اور بچوں کے ساتھ بتانا اور بس دن تمام!

اپنی اصل زندگی اور اپنے خالقِ حقیقی کو راضی کرنے کیلئے تو کچھ کیا ہی نہیں..... اپنے ہمسایوں کے لئے، عزیز رشتہ داروں کے لئے ان کی دلجوئی یا انکو آرام دینے کے لئے کچھ وقت نہیں نکالا۔ میرا رب مجھ سے کیسے راضی ہوگا؟ میں ہرگز ہرگز خودغرض نہیں لیکن میرا عمل میری اس خوش فہمی کے بالکل برعکس رہا۔ یارب مجھے معاف کر دینا۔ میرا رب گواہ ہے ہر روز صبح دعا کرتی ہوں یاباری تعالیٰ! امن اور سکون عطا کرنا بہترین عمل کی توفیق عطا کرنا، کسی کی دل آزاری نہ کروں مگر پھر سارا دن وہی صرف اپنی ذات ہی کے اردگرد گھومتے صرف ہو جاتا رہا..... رب کی نعمتوں کے شکر اسکی رحمتوں کے اعتراف اس کی بندگی کا حق ادا کر ہی نہیں پائی۔ یا رب توفیق دینا جتنی مہلت عمل باقی ہے تیری رضا کے مطابق عمل کر پاؤں۔ میرے سجدوں میں خلوص عطا کرنا، عبادت میں سچائی دینا اور اپنے بندوں کو راضی کرنے کی توفیق عطا کرنا۔

اس سال بھر میں کیا کھویا کیا پایا.....

2014ء میری زندگی کی قیمتی ترین متاع مجھ سے چھن گئی۔ یا شاید یوں کہنا چاہیے کہ مالک حقیقی کے حکم سے میرے ''ابی جان'' اس جہانِ فانی سے رخصت ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ گھر کی ہر چیز اسی طرح اپنی اپنی جگہ پر موجود ہے مگر اتنی گہری اداسی اور خاموشی ہے جو دل کو کاٹ ڈالتی ہے۔ تین ماہ میں امی جان اپنی عمر سے بہت آگے چلی گئیں۔ ان کی دن بدن کمزور صحت۔ شدید غم کے باوجود رب کی رضا میں راضی رہنے کی ادا دل کو تقویت، دینے کی بجائے مزید اُداس کر دیتی ہے۔ یوں لگتا ہے یک لخت کسی نے ہماری چھت ہم پر سے اُڑا دی۔

یا رب ذی الجلال والاکرام سے دعا ہے کہ میرے ابی جان کی جنت میں بہترین مہمان نوازی ہو۔ وہ جنت کے باغوں میں ہم سب کے منتظر ہوں۔ رب تعالیٰ خطائیں بخش دے۔ اس سال 2014ء میں ہمارے وطن عزیز پر بڑے کٹھن وقت آئے جن میں سب سے بڑا سانحہ ''آرمی پبلک سکول پشاور'' میں معصوم جانوں پر دشمنانِ اسلام کا حملہ تھا۔ ہر آنکھ اس حادثے پر پُرنم ہے۔ ماں باپ کی کیفیت کا سوچ کر دل پھٹتا ہے۔ یارب ہمارے دیس کو ان دشمنوں اور ان کی گھناؤنی سازشوں سے بچا۔ دشمنوں کو زیر کرنا اور اسلام کو سربلند فرما۔ آمین۔

اس سال میں ہمارا ملک انتظار اور بدامنی کا شکار رہا۔ یا باری تعالیٰ ہم سب کو اتفاق اور محبت کی دولت سے مالا مال فرما، خودغرضیوں سے بچا۔ ہمارا رب ہم پر کتنا مہربان ہے، ہماری نافرمانیوں کے باوجود اپنی نعمتوں سے سرفراز فرماتا رہتا ہے۔ زندگی کی کوئی ایسی نعمت نہیں جس سے رب نے ہمیں نوازا نہ ہو۔ ہمارے ہی شکر اور عاجزی میں کمی ہے۔ اے کاش اِصْبِرُوْ وَصابروا ورابطوا وَاتقوا اللّٰہ ہماری آئندہ زندگی کے شعار بن جائیں!

☆.....☆.....☆

سو مسائل ایک حل

خورشید بیگم۔ گوجرہ

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
ستارے جسکی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

نیلگوں آسمان سے بھی بلند تر جس قوم کی منزل ہے وہ آج بستیوں میں کیوں گھری ہوئی ہے؟ وہ اَن گنت مسائل کا شکار کیوں ہے؟ اپنے مسائل کے حل کیلئے غیروں کی محتاج کیوں ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنے خالق و مالک و رازق پر ہمارا یقین کمزور ہو گیا ہے؟ جبکہ ہماری صفت تو یہ ہے کہ:

گمان آباد ہستی میں یقین مردِ مسلمان کا
بیابان کی شبِ تاریک میں قندیل رہبانی

یاد کیجئے! ایک قندیل ہماری اماں حاجرہ نے بھی عرب کے لق و

دق صحرا میں روشن کی تھی جب وہ ننھے معصوم بچے اسماعیل کے ہمراہ مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں تشریف فرما ہوئیں۔ کتنا کامل یقین تھا انہیں ذات باری تعالیٰ کی مدد پر؟ اور پھر دنیا والوں نے دیکھا کہ اسی مقام پر نہ صرف ایک شہر (مکہ) آباد ہوا بلکہ عالم اسلام کا روحانی مرکز وجود میں آیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یقین کی نعمت ایسی دولت ہے جو انسان کو دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ کیا ہم مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر بھروسہ نہیں؟ کیا وہ قادرِ مطلق ہماری مدد نہیں کر سکتا؟ کیا ہمارے مسائل اس عالم الغیب کی نظر میں نہیں؟ یا پھر اس نے ہمیں رسوا ہونے کے لئے تنہا چھوڑ دیا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان کے لئے ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس مالکِ حقیقی سے مانگنا چھوڑ دیا ہے۔ آج اگر ہم حضرت یونسؑ کی قوم کی طرح کھلے میدان میں نکل کر اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور آئندہ کے لئے برائیوں سے توبہ کریں تو ہمارا خالق ہماری طرف متوجہ ہو جائے گا۔ وہ فرماتا ہے۔

''اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور گناہوں سے بچنے کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔''

تو پھر ہم ناامید کیوں ہیں؟ اس بادشاہِ حقیقی کے سائے کو چھوڑ کر غیروں کے سامنے دستِ سوال دراز کیوں کرتے ہیں؟ کیا ایسی قوموں کی کوئی عزت ہوتی ہے جو ہاتھوں میں کشکول سجائے رہتی ہوں؟۔

ارشاد ہوتا ہے:

''کہہ دیجئے (اے نبیؐ) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ معاف کرنے والا رحیم ہے۔''

(سورۂ آلِ عمران آیت نمبر ۳۱)

الحمدللہ! ہم تو مسلمان ہیں۔ ہمارے سارے مسائل کا حل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت (سب کو رزق عطا کرنے والا) پر تہہ دل سے یقین رکھیں۔ ہر حال میں، ہر لہجہ اسی سے مدد مانگیں جو دے کر احسان نہیں جتلاتا۔ انشاء اللہ عالم کفر ہم سے خوفزدہ رہے گا۔ لیکن شرط صرف یہ ہے۔

''اور نہ ڈرو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔''

(سورۂ آلِ عمران آیت نمبر ۱۳۹)

مومن ہونے کی شرط ہم پوری کر دیں۔ کفار پر غلبہ عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ پورا کر دے گا۔ کیونکہ وہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اللہ کرے بہ حیثیت قوم ہمیں اس آیت کا مفہوم سمجھ آ جائے اور اس پر عمل کرنے والے بن جائیں۔ آمین۔

☆.....☆.....☆

اختلاف رائے

شہزادی ام صائم

اختلاف رائے کوئی بُری چیز نہیں بلکہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اختلافِ رائے سُن لینی چاہیے اور اگر اپنے ارادے اپنی رائے کو بدلنا پڑے تو بدل لیں اور اگر کوئی اپنی رائے پر قائم رہنا چاہے تو رہنے دیں وہ اس کے اور اس کے رب کا معاملہ ہے۔ ہم اختلافات سے بچ نہیں سکتے۔ یہ اختلاف ہی چیلنج ہیں ہمارے لئے۔ کیونکہ ہم مختلف مزاج کے لوگ ہیں۔ لوگوں کے درمیان رہیں گے، باہمی ٹکراؤ ہوگا۔ اور یہ راستہ کانٹوں سے بھرا ہے ہموار نہیں ہے۔ اور دنیا میں تو جانور کو بھی اپنی زندگی گزارنے کے لئے محتاط رہنا پڑتا ہے اور اسی میں خوبصورتی بھی ہے۔ ہرن کو دیکھیں اس کی ساری خوبصورتی تو اس کی دوڑ میں ہے چوکڑیاں بھرنے میں ہے بھاگنے میں ہے اور وہ بھاگتا کیوں ہے جب اس کا مخالف اس کے پیچھے لگا ہو اس کا دشمن یعنی شیر اگر شیر کو ختم کر دیا جائے تو ہرن تو مطمئن ہو کر آرام سے بیٹھ جائے گا اور اس کی تو ساری خوبصورتی ختم ہو جائے گی۔

انسان کی زندگی کی خوبصورتی بھی یہی ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کے لئے سر جھکا دے۔ اللہ کے راستے میں جدوجہد کر کے نیکیوں میں سبقت لے جانے کے لئے دوڑ لگا دے کسی رکاوٹ سے نہ گھبرائے۔

اللہ کا اصول ہے۔"اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا"

ایک رکاوٹ آ گئی تو اسے عبور کرو یا سائیڈ سے ہو کر گزر جاؤ۔ وہیں بیٹھ کر اس بند دروازے کو کھٹکھٹاتے نہ رہو۔ کسی بند دروازے سے اور نہ ہی کسی کی مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہیے اس کا حل یہ بھی نہیں کہ ہم کسی کے آگے بچھ جائیں اور وہ ہمیں روند کر چلا جائے اور نہ یہ حل ہے کہ دوسرے کو روند کر گزر جائیں۔ نہیں؟ بلکہ مخالفت کو ہمیشہ اپنے حق میں بہتر سمجھیں وہ آپ کو کامیابی کی طرف لے جائے گی۔

یہ چیلنج ہماری صلاحیتیں اُجاگر کریں گے۔ اصل امتحان یہ ہے کہ اختلافی صورتِ حال میں میرا رویہ کیا ہے؟

صبر، عفو، درگزر یا فساد، خون بہانا۔ "عقلمند وہ ہوتا ہے جو اُلجھنے کی بجائے بہترین مواقع کو استعمال کرتا ہے۔

☆......☆......☆

اِنَّمَا المؤمنون اِخْوَة............

(سورۃ الحجرات کی آیت کی روشنی میں)

نویرہ انور

گھڑی رات کے پونے تین بجا رہی تھی۔ پورا گھر سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ یوں بھی سردی کی راتوں میں لوگ جلدی اپنے کمبلوں میں دبک جاتے ہیں۔ ایسے میں ایک ثمر ہی تھی جو نہایت تھکن کے باوجود بستر پر مستقل کروٹیں بدل رہی تھی۔ دائیں ہاتھ کا درد اسے کسی پل چین نہ لینے دے رہا تھا۔ آنکھیں نیند سے بوجھل مگر درد کی شدت اسے پورے جسم میں محسوس ہونے لگی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سارے جسم میں ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔ اسی تکلیف اور بے قراری کی کیفیت میں یکا یک اس کے دماغ میں صبح کیلنڈر پر لکھی حدیث آ گئی۔ الفاظ کچھ یوں تھے......

"امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کا کوئی عضو اگر تکلیف میں ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے۔"

درد! تکلیف! دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جو اپنی زندگی میں کبھی بھی اس کیفیت سے نہ گزرا ہو لیکن یہاں تو کسی اور ہی درد کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔ تصور کی آنکھ سے دیکھیں اگر میری آنکھ میں معمولی سا درد ہو بلکہ ایک پلک ہی چلی جائے میں اس وقت تک بے چین رہتی ہوں جب تک وہ حقیر سی پلک نکل نہ جائے۔ کوئی کام سجھائی نہیں دیتا! لیکن کہ یہ حدیث انہی تکالیف کی بات کر رہی ہے؟ کون سا درد ہے جو ساری امت کو محسوس ہونا تھا؟

وزیرستان میں شہید ہونے والے معصوم بچے، برما میں جلائے جانے والی عورتیں اور بچے، کشمیر کے نوجوانوں کا خون، فلسطین میں کٹے پھٹے جسم، فرانس میں شہید ہونے والی مساجد! ہمارے درد تو بہت طویل ہیں۔ کیا انکا درد واقعی مجھے محسوس ہوتا ہے؟ تیز رفتار اور خودغرض زندگی میں ایک لمحہ بھی مجھے یہ درد محسوس نہیں ہو پاتا۔

اللہ کے نبیؐ تو ایک نیا ہی درد سکھا گئے، یہ ہے وہ سنت جس کو زندہ کرنا تھا! یہ ہے وہ اسوہ جس کو پھیلانا تھا۔ جس کی یاد دہانی ہوئی تھی کہ میرے جسم کے کتنے حصے آج درد میں ہیں۔ زخموں سے چور ہیں۔ یہ ہیں وہ سبق جو عملی تصویر بننا تھا اور ہمارے وہ تمام عزیز جان لوگ ان کو بھی سکھانا تھا۔ دنیا کا کوئی کونا ایسا نہیں جہاں میرے مسلمان بہن بھائیوں کا خون نہ ہو رہا ہو۔ زیادتی کا شکار عورتیں اور بچے۔ ہمیں تو اس درد کو محسوس کرنا تھا اس کے لئے تڑپنا تھا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا المؤمنون اِخْوَة.......... (سورۃ الحجرات) بے شک مسلمان (آپس میں) بھائی ہیں۔

امت کا درد پالنا ہمارے اوپر فرض ہے۔ یہ روز کی خبریں ہمارے لئے ایک الارم ہیں۔ خدارا بے حسی کی چادر (معذرت کے ساتھ) اب اتار پھینکو! کفار اور مشرکوں کے راستوں پر چلنا بند کرو اور یہ شیطانی آلہ (ٹی وی) اپنے گھروں سے نکال پھینکو کہ یہ صرف یکطرفہ خبریں دیتا ہے۔ کم از کم ہم اپنی دعاؤں میں تو انہیں یاد رکھیں کہ بہت بہہ چکا اب لہو مسلمان کا!

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حقیقی درد نصیب فرمائے اور اپنے عیش وعشرت پر نظرِ ثانی کرنے والا بنائے کہ جسم اب بہت زخمی ہے......

☆......☆......☆

محشرِ خیال

افشاں نوید۔ کراچی

ہر ماہ یہی خواہش رہتی ہے کہ بتول پر تبصرہ بھیجوں لیکن یہاں بتول بہت تاخیر سے پہنچتا ہے۔ بتول پاکیزہ ادب کا نام ہے۔ ان سب بہنوں کو میرا اسلام پہنچا دیں جو پاکیزہ ادب کی کشت کی آبیاری میں اپنا خون جگر دے رہی ہیں۔ بلا شبہ بتول ادب کی سنگلاخ زمین پر پتھروں کو کاٹ کر جو راستہ بنایا ہے آنے والے وقت میں پاکیزہ ادب کو چاہنے والوں کے قافلے اس پر رواں دواں رہیں گے۔ اپنے قلم سے اس بنجر زمین میں جو قلمکار لالہ و گل کھلا رہے ہیں بلا شبہ اس مٹی کا قرض اتارنے کی جستجو میں ہیں۔ بتول کی قلمکار ساتھی جو قلم کی حرمت کا پاس رکھ رہی ہیں اللہ کرے کہ اپنے قلم سے یوں ہی جواہر لٹاتی رہیں۔ کرنیں بکھیرتی اور پھول اگاتی رہیں۔ البتہ ہمارا بہت کام باقی ہے۔ 18 کروڑ کی آبادی میں کتنے لوگوں تک یہ پاکیزہ ادب پہنچتا ہے اور اس میں ہمارا کیا کردار ہے اس چراغ کی لَو کو تیز کرنا اور ان ضوفشانیوں کو روشنی کے طلبگار دلوں تک پہنچانا بھی ہمارا کام ہے۔ بتول کے تحت قلمکاروں کے کنونشن کے حوالے سے بھی سوچیں۔ اچھا ہو کہ حرم فورم کے تحت یہ نیک کام ہو جائے۔ بتول کی اشاعت بڑھانے کے لئے عملی اقدامات کیا ہوں۔ قارئین بتول سے بھی مشورہ لیں۔ بہت دعائیں۔ ☆☆☆

سارہ عدیل۔ راولپنڈی

ماہِ فروری کا بتول اپنی فکر انگیز اور شگفتہ تحاریر کے ساتھ پڑھنے کو ملا۔ جادو ٹونے کے فتنے میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں اس کی حقیقت بیان کرنا سودمند ہے۔ مٹی کے باوے بہت ہی دلچسپ اور سبق آموز کہانی تھی بلکہ شاید سچا واقعہ تھا۔ خواب کی تعبیر سانحہ پشاور کا غم تازہ کر گئی۔ بڑھاپے کی آمد اور میری تیاری ایک مؤثر تحریر تھی یعنی بڑھاپا اس نظر سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ قانتہ رابعہ کا کتابوں پر تبصرہ بہت دلچسپ رواں اور دلکش ہوتا ہے۔ ہر تبصرہ پڑھ کر میں یہ سوچتی ہوں کہ یہ کتاب تو ضرور لوں گی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس عزم کو عملی جامہ آج تک نہ پہنایا جا سکا۔ مگر تبصرے اتنے جامع ہوتے ہیں کہ میں ہر دفعہ اس عزم کا اعادہ کرتی ہوں۔ محبت کا بہتا زم زم بہت پیاری تحریر تھی اللہ کے نیک بندے اجنبیوں کے اندر بھی اپنی محبت پیدا کر لیتے ہیں۔

اجتماعِ عام میں جانا تو نہ ہو سکا مگر وہ تین دن پڑھ کر ساری تفصیلات معلوم ہو گئیں۔ پلاسٹک کا زہر اور محبت کے رنگ دونوں برمحل مضامین تھے۔ ایک جسمانی بیماریوں کی وجہ بتاتا ہے اور دوسرا روحانی بیماریوں کی۔

رب کریم سے دعا ہے کہ ماہنامہ بتول اسی طرح اپنی روشنی بکھیرتا رہے۔ (آمین) ☆☆☆

صبیحہ نبوت۔ لاہور

ایک سال پر نظر ڈالیں تو لگتا ہے طویل سلسلہ ہے۔ جو نہ جانے کیسے گزرے گا۔ لیکن جب بارہ مہینے اختتام پذیر ہوئے تو لگا کہ وقت اتنی جلدی گزر گیا۔ مہینے دن اور سال گڈمڈ ہو گئے۔ یوں بتول کا سال بھی گزر گیا اور جنوری کا نئے سال کا پرچہ ہمارے سامنے آ گیا۔ جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے نام سے ہوتی ہے۔ اور اس کے علاوہ معلوماتی، سبق آموز، جذباتی اور تہذیبی مضامین ہمیں بہت سے سبق دے جاتے ہیں۔

''میرے بے لوث باغباں میں'' اہل ایمان کے بارے میں جو مثالیں دی گئی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ نصرت محمود کا انداز بیان دل کو لبھاتا ہے۔ رسولؐ کی محبت اور ان کی باتیں اگر بار بار یوں ہی دہرائی جائیں اور ہر دل میں یہی لگن ہو تو ایک نہ ایک دن یقیناً حق ادا ہو جائے گا۔ ڈاکٹر مقبول شاہد نے جس انداز میں ''مسجد نبویؐ'' کے بارے میں معلومات دی ہیں اور وہ ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ یہ صرف وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت ہو ان سے عقیدت ہو اور ان کے بارے میں معلومات کا بے بہا خزانہ ہو۔ یہ ایسی معلومات ہیں جو مسجدِ نبوی سے انسیت کا احساس دلاتی ہیں۔ ایک ایک کونے کو اس طرح خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے کہ دل اسے دیکھنے کے لئے تڑپنے لگتا ہے۔ کاش ہم سب اس کا دیدار کریں اور وہاں کی لائبریری سے بھی استفادہ حاصل کریں۔ ربیعہ ندرت کا افسانہ موضوع کے لحاظ سے خاندانی اور گھریلو جذبات کی بڑی

اچھی عکاسی ہے۔لیکن مضمون کی طوالت اور ایک ایک لفظ کو مختلف طریقوں سے بیان کرنا کسی حد تک اکتاہٹ کا احساس دلاتا ہے۔لیکن ان کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ انسانی رویوں کو بڑی اچھی بیان کرتی ہیں۔زندگی کی نوک پلک سنوار کر پڑھنے والوں کے سامنے پیش کرتی ہیں اور یہی لکھنے والی کا کمال ہے۔حمیرا خالد نے جو سوچا وہ لکھ دیا۔اچھی پیش کش ہے۔پڑھنے والوں کو متاثر کرتی ہے۔ایمان پختہ ہوتا ہے۔روحانی سکون ملتا ہے۔جینے کا طریقہ آتا ہے پھر ایسے مضامین پڑھنے میں مزہ بھی آتا ہے۔جو مختصر بھی ہوں اور مطلب بھی واضح ہو۔''مجھے ہے حکم اذاں'' آسیہ راشد کا انٹرویو وہ بھی ایسے لوگوں کا جو عظمت کا مینار ہوں۔ہر ایک کیلئے باعث فخر ہوں اور اپنی خدمات پر اعزازات سے نوازے جائیں۔ہم سب کے لئے سبق ہیں کاش ایسے لوگوں کی بہتات ہوتا کہ وہ ہمارے وطن کے لئے عظیم سرمایہ ثابت ہوں۔آمین۔فرحت طاہر کے انشائیے نے پرانے زمانے کی طرف لوٹا دیا۔دادی اور نانی کی تخت نشینی سے لے کر عمران، قادری کے دھرنے کی مثال دے کر نئی اور پرانی تہذیب کی عکاسی کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ زبان صرف الفاظ ہی نہیں تہذیب بھی بدل دیتی ہے۔جیسا کہ ان کے انشائیے میں بیان ہے۔(باقی آئندہ) ☆☆☆

زہرہ نہالہ۔فیصل آباد

ادارہ بتول نے جونئی کتاب 1963ء کے بعد دوبارہ چھاپی ہے ''عورت کیا کچھ کر سکتی ہے۔'' موصول ہوئی اور بے حد اچھی لگی۔اتنی شاندار کتاب اتنے طویل عرصے کے بعد دوبارہ شائع کرنے پر ادارہ مبارکباد کا مستحق ہے۔اللہ کرے کہ ایسی اور کتابیں جو طویل عرصے سے شائع نہیں ہو سکی ہیں دوبارہ منظر عام پر آسکیں۔آمین۔

سیرت حضرت خدیجہ بھی الحمدللہ بہت مقبول ہوئی ہے اور فیصل آباد سے -/5,000 کتب کا آرڈر ادارے کو ملا۔اسی طرح تقریباً 60 کتب ''عورت کیا کچھ کر سکتی ہے۔'' منگوائی گئی۔مارچ کا بتول الحمدللہ 18 تاریخ کو مل گیا۔اس دفعہ کا سرورق بڑا ہی خوبصورت ہے۔حقیقت و افسانہ کے تحت سب ہی افسانے بہت اچھے تھے۔افشاں نوید کے افسانے ''وقت فرصت ہے کہاں'' نے بہت متاثر کیا۔خفتگان خاک میں اس دفعہ بنت اللہ بخش سیال نے بہت ہی ایمان افروز زندگی کے پہلوؤں سے پردہ اٹھایا۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش کرے۔ان کو برزخ کی زندگی میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔آمین اور ان جیسے باعمل و مخلص لوگ جماعت کو عطا فرمائے۔آمین۔

زبیر منصوری صاحب کا مضمون ''حضرت خدیجہ ایمان و وفا کی ساتھی'' اس لحاظ سے منفرد لگا کہ اس میں کئی باتیں ایسی تھیں جو پہلے نہیں پڑھی تھیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اس پاکیزہ تذکرے سے اپنی عملی زندگی کے لیے پیغامات اخذ کر سکیں۔آمین۔

شمیم فاطمہ کا انشائیہ، گوشہ تسنیم، بنت حوا کی درد لا دوا تو نہیں اور خالدہ آفتاب کے خوبصورتی کے راز میں آخری نصیحت بہت پسند آئی۔

اللہ تعالیٰ اس قلمی جہاد میں حصہ لینے والی سب بہنوں کا حصہ قبول فرمائے۔آمین۔

اللہ کرے ماہنامہ بتول اسی طرح تیز آندھیوں اور اندھیروں میں چراغ راہ کا کام سرانجام دیتا رہے۔آمین۔ ☆☆☆

اُم ایمان۔کراچی

فروری کا بتول اس دفعہ مہینے کے پہلے ہفتے میں مل گیا خلاف توقع.....بس سوچا کچھ تبصرہ و تنقید ہو جائے۔ڈاکٹر ممتاز عمر کا مضمون ''زندگی کا خاتمہ اور اس کے مسائل'' نے اس وقت کی یاد تازہ کی جو ہر ایک کی زندگی میں آئے گا۔کسی کا قریب ہے کسی کا دور بلکہ قریب ہی ہے دُور تو کسی کا بھی نہیں! اس دفعہ شاعری کو نظروں نے ڈھونڈا صرف ایک نظم.....نہ حمد نہ ہی نعت.....شعرا متوجہ ہوں۔

افشاں نوید کے کشف نے عقل مندوں کے لئے کشف کے وہ دروازے کھولے جنہیں بڑی کوششیں اور محنت سے بند کیا گیا تھا۔واقعی یہ ایک پوری نسل کی سوچ کی تبدیلی ہے جس کی ضرورت ہے۔

قانتہ رابعہ اور شگفتہ نقوی ایک مختصر پر مغز لکھتی ہیں اور دوسری کا قلم خوب رواں ہے۔اللہ کرے روانی کا دریا جوش میں رہے۔بتول کی رونق نہیں۔میری کتاب کا اشتہار بھی دیں لوگ پوچھ رہے ہیں کہ کہاں سے ملے گی۔کراچی کے مکتبوں پر بھیج دیں۔

☆.....☆.....☆